انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

فاتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین

الطلاق مرتٰن

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن

از خدا ترس و کار ایمان کن

احکام قرآنی

پیش کردہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی پاکستانی

لامکانی غفرلہ

قیمت:- دو روپے

پیش لفظ

بقلم خود

میں نے بھی عہد شباب تک تو محض مقلدانہ حنفی مسلک کے مطابق قرآن وحدیث کی خدمت میں عمر کا کچھ حصہ بسر کیا تھا۔ مگر توفیق الٰہی میرے دامن دل کو بار بار تقلید کی اندھی کوٹھری سے کھینچکر تحقیق کی روشن فضا کیطرف لے آنے کی کوشش کر رہی تھی، بالآخر میں نے تقلید سے توبہ کی مگر جماعت اہل حدیث میں بھی داخل نہ ہوا۔ اسلئے کہ ان کو دیکھا کہ یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے ضد رکھتے ہیں اور ائمہ حدیث کی ویسی ہی تقلید کرتے ہیں جیسی حنفی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی۔ مثلاً معہ والی جھوٹی حدیث پر ان کا ایمان ہے۔ صرف اہل حدیث ہی نہیں بلکہ روایت پرست احناف علماء بھی اس میں ان کے شریک ہیں۔ قرآن مجید کی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم کا ختم ہوتا ہے۔ اور بعض علماء تو تلاوت بھی کرتے ہیں۔ حصن حصین کی تلاوت کا تو صوفی علماء میں اکثر معمول ہے۔

حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بعض سفید جھوٹ تک موجود ہے سیاہ جھوٹ چھپے ہوئے کتنے ہونگے؟ اسی سے اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ یہ صفت خصوصی قرآن مجید ہی کی ہے کیونکہ تنزیل من حکیم حمید۔ باطل نہ اسکے آگے سے آسکتا ہے نہ اسکے پیچھے سے بہت بڑے حکمت و حمد کے مالک کی طرف سے اتری ہوئی کتاب ہے۔ حدیث کی کوئی کتاب کذب و افترا سے پاک نہیں ہے۔ جب حدیث کی کتابوں کی حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی تو میں رجال کی کتابیں دیکھنے لگا۔ اور راویان احادیث کے حالات سے واقفیت حاصل کی۔ خود

رجال حدیث پر کئی کتابیں لکھیں۔ جو مسودے کی شکل میں میرے پاس موجود ہیں۔
میں اس نتیجے پر پہنچا کہ تقریباً پانچویں صدی ہجری تک شیعے سنی محدثین
ساتھ مل کر جمع حدیث کا کام کرتے رہے۔ مگر اکثریت اہل سنت کی تھی اسلئے
جمع حدیث کا کام گو سنی محدث نے شروع کیا مگر وہ شیعے راویان حدیث
سے بھی حدیثیں لیتے رہے۔ کسی قدر احتیاط کے ساتھ ہی سہی اور اس وقت
شیعے اپنے صحیح عقائد کو چھپاتے بھی بہت تھے۔ ان کے امام کی تاکید شدید
تھی کہ اپنے مخصوص عقائد کو پوشیدہ رکھو وہ اپنے معتقدین سے کہتے تھے۔
کہ نحن علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ یہ لوگ
ایسے دین پر ہیں کہ جس نے اسکو پوشیدہ رکھا۔ اللہ اسکو عزت دیگا۔ اور
جس نے اسکو دوسروں پر ظاہر کر دیا اللہ اس کو ذلیل کریگا۔ (اصول کافی باب
الکتمان فی صفحہ ۴۸۵) کتنے شیعے راویان حدیث خلفائے راشدین خصوصاً حضرت
ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی منقبت کی حدیثیں روایت کرکے
اپنے کو اہل سنت یا کم سے کم غیر متعصب شیعہ ظاہر کرکے اہل سنت ائمہ
حدیث کے معتمد علیہ بنے ہوئے تھے۔

یہی باعث ہے کہ جو کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں مثلاً صحاح ستہ اور
موطا وغیرہ ان میں کثرت سے حدیثیں شیعوں کی ملتی ہیں بعض کے راوی تو کھلے
ہوئے شیعے ہیں جن کے تشیع کا ذکر ائمہ رجال کرتے ہیں۔ بعضوں کے متعلق
لکھدیتے کہ قلیل التشیع لیس بہ بأس یعنی اس شخص میں تشیع ہلکا سا ہے جو
مضر نہیں ہے۔ بعضوں کے تشیع کا حال ان پر واضح نہ ہو سکا پردۂ کتمان میں پوشیدہ رہا

غرض اہل سنت کی جتنی کتابیں احادیث کی ہیں ان میں سے کوئی
بھی مخصوص اہل سنت کی نہیں ہیں۔ سب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی موجود
ہے۔ نماز میں سجدے کیلئے جو شیعے حضرات سجدہ گاہ رکھتے ہیں جسکو عربی
میں خمرہ اور فارسی میں مہر نماز کہتے ہیں اس کی حدیثیں جو صحاح کی بھی
کتابوں میں نظر آتی ہیں وہ اہل سنت کی حدیثیں نہیں ہیں شیعوں کا
حصہ رسدی ہیں۔ اسی طرح فضائل و مناقب کی اکثر حدیثیں خاص

شیعوں کی روایت کردہ ہیں جو کوفے یا خراسان وغیرہ سے پھیلیں ورنہ کوئی بتائے کہ جس وقت امام مالک موطا لکھ رہے تھے امام بخاری صحیح بخاری کی حدیثیں جمع کر رہے تھے امام مسلم صحیح مسلم مدون کر رہے تھے اس وقت کون سے شیعہ محدث تھے جو شیعوں کی حدیثیں اہل سنت سے الگ جمع کر رہے تھے ؟ ۔ سب سے پہلے شیعہ محدث تو ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۸ھ تھے ۔ اور ان کی کتاب شیعوں ہی میں محدود رہی اور دوسروں سے پوشیدہ ہی رہی جب ایران میں سلطنت صفویہ قائم ہوگئی اس وقت سے شیعوں نے اہل سنت سے تقریباً علیحدگی اختیار کرنی شروع کر دی اور پھر وہ علانیہ ایک مستقل جماعت اہل سنت سے علیحدہ بن گئے ۔ اور اپنی کتابیں علیحدہ تصنیف کرنے لگے اور جو ان کے اگلوں نے بطور خود لکھ لکھ کر چھپا رکھی تھیں ان کو نکالنے لگے ۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بھی انہیں صحاح سے کام لیتے تھے چنانچہ صحاح ستہ میں جو اہل سنت کی کتابیں کہی جاتی ہیں بیسوں شیعے راویان حدیث موجود ہیں ۔ یہاں تک کہ صاحب مستدرک ابو عبد اللہ الحاکم جو شیعے تھے ان کی کتاب حدیث مستدرک بھی چونکہ اسی زمانۂ اجمال کی تصنیف ہے اس لئے اہل سنت بھی اسکو ایک حد تک معتبر سمجھتے ہیں اور اس کی حدیثوں سے بھی استناد کرتے ہیں ۔

اتنا لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ صحاح ستہ اور جتنی کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی خاص اہل سنت کی نہیں ہے ۔ جس طرح شیعوں کی کتابیں خاص شیعوں کی ہیں ۔ ایسی کوئی کتاب بھی صرف اہل سنت کی نہیں ہے ۔ ہر کتاب میں بیسوں شیعہ راویان حدیث موجود ہیں ۔ اس لئے ان کتابوں کی کسی حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ شیعہ مسلک کے مطابق یہ حدیث اہل سنت کی کتابوں میں بھی ہے صحیح نہیں ہے ۔ شیعہ مسلک کے مطابق جو حدیث بھی ان کتابوں میں ہے جو کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں وہ حدیث شیعوں کا حصہ

رسدی ہے ۔ اور یہ ساری کتابیں اجمالی کتابیں ہیں جن میں شیعے سنی سب کی حدیثیں ہیں ۔

اگر خمرہ یعنی سجدہ گاہ والی حدیث خاص شیعوں کی نہ ہوتی، اور اہل سنت کے نزدیک معتبر ہوتی تو اہل سنت کا کوئی نہ کوئی فرقہ ضرور نمازوں میں سجدہ گاہ کا پابند ہوتا ۔ اور کپڑے دری کھال کی جا نمازوں پر سجدہ کرنے کو اہل سنت کا بھی کوئی نہ کوئی فرقہ ضرور ناجائز کہتا ۔ مشترک کتاب ہونے کی وجہ سے اس قسم کی حدیثیں محدثین نے لکھ تو لیں مگر کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا ۔ اس لئے کہ سارے اہل سنت علماء ان حدیثوں کو خالص شیعہ مذہب کی حدیثیں سمجھتے رہے ۔

سرچشمہ احکام

احکام دین کا اصل سرچشمہ تو کتاب اللہ قرآن مجید ہے ۔ احکام بجالانے کی ہیأتوں اور طریقوں کی تفصیلات حدیثوں سے ملنی چاہئیں ۔ مگر منافقین عجم نے محض تخریب دین کے لئے دین کے ہر حکم کے متعلق اتنی متعدد متخالف بلکہ متضاد حدیثیں بنا بنا کر روایت کرنا شروع کر دیں کہ اس کا پتا لگانا محال ہو گیا کہ کسی حکم قرآن کی بجا آوری کس طرح کی جائے جو واقعی سنت نبوی ہو ۔ ایک نماز ایسی چیز کو دیکھ لیجئے کہ عہد نبوی سے لیکر آج تک ہر سچا مسلمان پنجگانہ نماز پڑھتا آرہا ہے ۔ مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کس طرح تھی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کس طرح پڑھتے تھے ۔ آخری نماز جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی تھی یقیناً آپ کے پیچھے ہر صحابی نے بالکل اسی طرح نماز پڑھی ہوگی ۔ جس طرح خود آپ نے پڑھی تھی ۔ پھر جب آپ شدت مرض کے باعث مسجد تک پہنچنے سے معذور ہو گئے اور صحابہ سے فرمایا کہ مروا ابابکر یصلی بالناس ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کی جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں امام کی حیثیت سے نمازیں پڑھیں تو حضرت صدیق اکبر نے یقیناً بالکل اسی طرح نماز با جماعت امام

بن کر پڑھی ہوگی جس طرح آنحضرت نے آخری نماز پڑھی تھی۔ تقریباً پانچ
دنوں تک نیابت نبوی یا حضرت صدیق اکبر نے جماعت صحابہ کی امامت کی اس پچیس[25]
وقت کی نمازوں میں سے اگر کسی وقت بھی آنحضرت کی آخری نماز سے وہ کسی
معمولی رکن میں بھی اختلاف کرتے تو کوئی صحابی پھر ان کے پیچھے کبھی نماز نہ
پڑھتا اور اسی وقت اس اختلاف کا سبب ان سے پوچھا جاتا۔ بلکہ
آنحضرت کے پاس ان کی شکایت پہونچتی۔ مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی۔
پھر وفات نبوی کے بعد بھی یقیناً اپنی پوری مدت خلافت میں اپنی وفات
تک حضرت صدیق اکبر بالکل اسی طرح یقیناً نماز پڑھتے رہے ہونگے اور ان
کے پیچھے حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر رضہ اور
سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو مدینے میں رہتے تھے یا باہر سے کبھی آجاتے
تھے بالکل اسی طرح پڑھتے ہونگے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری
نماز پڑھی تھی۔ پھر حضرت فاروق اعظم نے بھی اپنی پوری مدت خلافت دس
برس تک اسی طرح پڑھی ہوگی اور ان کے پیچھے سب نے اسی طرح پڑھی ہوگی
پھر حضرت عثمان نے بھی بارہ برس تک اور ان کے پیچھے سب صحابہ نے اسی طرح
نماز پڑھی ہوگی پھر حضرت علی نے بھی بالکل اسی طرح پڑھی ہوگی اور ان کے
پیچھے بھی جہاں جہاں جس نے جس نے نماز پڑھی ہوگی بالکل اسی طرح پڑھی ہوگی
کوئی وجہ ہی نہیں ہے کہ کسی نے بھی کسی ایک رکن میں ذرا سا بھی اختلاف
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز سے کیا ہو۔ اور یقیناً سارے صحابہ
اسی طرح نماز پڑھ رہے ہونگے۔ اور تا زندگی پڑھتے رہے ہونگے۔

مگر آپ دیکھئے اذان و اقامت اور تحریمہ سے لیکر سلام تک کون سا
رکن نماز ہے جس میں حدیثوں نے اختلاف نہیں پیدا کیا ہے۔ اور آج شیعہ
حنفی، شافعی مالکی، اور حنبلی کی نمازوں کو دیکھئے کہ کس قدر باہم مختلف
ہیں۔ اور کوئی نہیں یقینی طور سے بتا سکتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی آخری نماز کس طرح سے تھی اور خلفائے راشدین کس طرح نمازیں پڑھتے
تھے۔ اور سارے صحابہ کی متفق علیہ نماز کس طرح تھی۔

یہ کہنا کہ جتنی طرح کی نماز حدیثوں میں مروی ہیں جب وہ سب حدیثوں سے ثابت ہیں تو سب سنت ہیں۔ ان میں سے جس طریقے سے بھی کوئی پڑھے گا اتباع سنت ہی کریگا۔ غلط اور سراسر غلط ہے۔ وہ اتباع راویان حدیث کریگا۔ اتباع سنت نہیں کریگا۔ اس لئے کہ اگر واقعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز سے پہلے نمازیں مختلف تھیں تو جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک طریقے کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا تو پہلا متروک طریقہ سنت نہ رہا۔ اس کا ترک سنت ہو گیا۔ اور جو طریقہ اسکے بعد جاری رہا وہی سنت رسول رہیگا۔ ورنہ فعل رسول سے زیادہ واجب الاتباع فعل اللہ ہے۔ توراۃ و انجیل بھی کتاب اللہ ہی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والے کیوں مستحق نجات آخرت اسوقت نہ ہونگے۔ اور پھر بیت المقدس کی طرف رخ کرکے اگر کچھ لوگ نماز پڑھنا اس وقت شروع کر دیں تو کیوں ناجائز ہوگا؟ وہ بھی سنت سابقہ رسول ہے۔

آپ یہ کہتے کہ چونکہ ان حدیثوں کے سبب سے حقیقت روایات میں کھو گئی۔ اب پتا نہیں ملتا ہے۔ کہ واقعی سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین نماز کے متعلق کیا تھی۔ تو جب ہم مختلف طرق میں سے کسی کو متعین نہیں کر سکتے تو جسکو بظاہر عقل جو سنت نبوی معلوم ہو اسکو وہ اختیار کرلے اور ایسی حالت میں جب کہ حقیقی سنت کا پتا نہیں مل رہا ہے مجبوراً سب کو سنت سمجھنا چاہئے تو یہ کہنا ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے مگر یہ مجبوری بھی دراصل کوتاہی ہمت سے اور دیانتدارانہ تحقیق سے جی چرانے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اگر ساری دنیا کے مسلمان نہ سہی کم سے کم ایک ہی ملک کے مسلمان چند اہل علم کو جو متقی ہوں اللہ تعالے سے بازپرس آخرت سے ڈرنے ہوں اپنا نمائندہ منتخب کرکے ان کے فیصلے پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائیں اور وہ اہل علم کسی فرقے سے تعلق نہ رکھتے ہوں خالص مسلم ہوں اور روایات پرست بھی نہ ہوں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث سے بھی واقف ہوں وہ قرآن مجید کو سامنے رکھکر ساری متعلقہ حدیثوں پر غور کریں ہر ایک کے رجال کو دیکھیں اور روایت و درایت دونوں طرح سے حدیثوں کی تنقید کریں تو والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کا وعدہ الہیہ ضرور پورا ہو کر رہیگا ان شاء اللہ تعالے اور نماز کی سنت صحیحہ کا پتا ضرور مل جائیگا۔

قرآن مجید پر ظلم | ان عجمی منافقین نے قرآنی احکام میں تحریف معنوی پیدا کرنے کیلئے ہر ہر آیت احکام

متعلق مختلف بلکہ بعض متضاد تفسیری حدیثیں مرفوعاً نہیں تو کم سے کم صحابہ ہی کا قول پیش کر کے ان آیات کے صحیح مفہوم کو بدلنے کی نامبارک سعی کی ہے۔ میں نے احکام القرآن ایک مخلص عزیز کی فرمائش سے لکھنا شروع کر دیئے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ اس کے اخراجات کی کفالت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ اور میں اپنی پیرانہ سالی و ضعف بصارت اور بعض دوسرے امراض کے ماتحت بغیر ایک مددگار کے جو میری ہدایت کے مطابق لائبریریوں سے کتابوں کی عبارت نقل کر کر کے لائے۔ اور کتابوں کی عبارت مجھکو پڑھ پڑھکر سنائے۔ میرے مسودوں کو صاف کرے۔ بطور خود ان سب کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے وہ کتاب تکمیل تک نہ پہونچ سکی۔ کتاب الطہارت کے بعض ابواب اور حلال و حرام جانوروں کے متعلق اور معاملات میں ربوٰ (سود) کی بحث تک پونچا تھا۔ کہ کام ناتمام رہ گیا۔ ان عجمیوں کی حدیثوں نے سود کے مسئلے کو بھی اس طرح الجھا دیا ہے کہ کسی طرح اسکی گتھی مقلد اور روایت پرست غیر مقلد علماء سے کسی سے بھی سلجھ نہیں سکتی۔ حالانکہ قرآن مجید نے اپنے کسی حکم کو گنجلک نہیں رکھا ہے۔ منافقین عجم کی خود ساختہ حدیثوں نے کتنے احکام کو الجھا کر چھوڑ دیا ہے۔ وراثت میں حاجب و محجوب کے مسئلے کو الگ انہیں راویان احادیث نے الجھا دیا کہ خود فقہاء کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ حاجب و محجوب کی گتھی سلجھتی نظر نہیں آتی۔ مگر سلجھے تو کس طرح ہر مسئلے کو صرف روایات کے ماتحت غور کیا جاتا ہے اور روایتیں تو الجھانے کے لئے بنائی ہی گئی ہیں۔ آپ الجھاؤ ہی کے اسباب سے اگر سلجھانے کا کام لینگے تو سود کی گتھی ہو یا حاجب و محجوب کی قیامت تک نہیں سلجھیگی۔

اصل سرچشمہ احکام قرآن مجید ہے۔ سب سے پہلے ہر حکم کو قرآن مجید کی آیتیں سامنے رکھکر روایات و فقہیات وغیرہ سے بالکل خالی الذہن ہو کر صرف آیتوں سے اس کے سیاق و سباق پر غور کیجئے اور صرف آیات ہی سے پہلے سمجھ لیجئے کہ آیتیں کیا کہہ رہی ہیں۔ اس کے بعد حدیثوں کو دیکھئے۔ جو حدیثیں آیات اور ان کے سیاق و سباق کے مطابق ہوں ان حدیثوں کو قبول کیجئے جو آیات اور ان کے سیاق و سباق کے خلاف ہوں منافقین عجم کا افترا سمجھیئے اور ان کو رد کر دیجئے مگر جہاں آیات خود اپنا مفہوم واضح طور سے ادا کر رہی ہیں۔ کسی مزید شرح کی محتاج نہیں جس طرح طلاق سے متعلق آیات ہیں۔ یا سود کے متعلق وہاں حدیثوں کی چھان بین کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث میں تین بار فان لم تجد پر اہل علم کیوں نہیں غور فرماتے؟ ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم ٭ تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال، والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبحمدہ

فہرست مضامین کتاب الطلاق مرتّن

باسمہ تعالےٰ

غلط نامہ کتاب الطلاق مرتّن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
لوح	۶	مرتّن ح	مرتّن ط	۲۷	۶	مطلعہ	مطلقہ
۴	۱۰	(انکی)	انکی	۲۹	۱	ہوجانے سے ہے	ہوجانے سے
۶	۱۹	روتا ہے	روتا ہی	۳۳	۱۰	بامختلفہ	یا مختلعہ
۷	۱۰	وراثیہ	وراثت	//	۱۷	بیتی	یعنی
//	۱۵	یقینی	یقین	۳۴	۱۰	کا متروک شیرازے کی طرف آگیا ہے	
۸	آخر	نظرغور آتی	نظرغور ڈالی	//	۱۱	مصر ہونگی کی سعی کرینگی	مصر ہوں
۱۰	۱۸	اسلام	اسلاخم	//	۱۳	بائیں	بائن
۱۱	۱۷	ضیفی	ضعیفی	۳۶	۱۵	مدرسے	بدر سے
//	۱۸	ضعیف	ضعف	۳۷	حاشیہ سطر آخر	عدکی	عدت کی
۱۳	۵	الاہم	اللہم	۳۸	۱۰	گئی جاگی	گنی جائیگی
//	۸	ھونہ	ھولہ	۳۹	آخر	ہوئی تھی	ہوتی ہے۔
۱۷	۵	کیاتنہ	کیا بائنہ	۴۰	۱۱	مان	فان
//	درمیان ۷ و ۸	سن لکھ	اس کو قلمزد کیجیے	۴۱	۲	فیصد	فیصلہ
۱۸	۱	لشیطٰن	الشیطٰن	//	۳	جھگڑا	جھگڑا
۱۹	۱۸	رہو	رہی	۴۲	//	منشاکے	منشائے
۲۰	۷	....	سن لکھ	۴۴	۹	پس	بس
۲۱	۳	جانیکا	جائیگا	۴۴	۱۴	معرا	معرّا ہوا
۲۲	۲	۲۲۱ھ	۲۲۸ھ	//	۱۷	آتا ہو	آتا ہے
//	آخر	غیر ممکن ہوا	غیر ممکن ہو	۴۹	۱۱	بچیے	بچی
۲۶	۳	بالنکاح	بالنکاح	۵۳	۱۰	بسر	بسر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۲	۱۱	آتیں	آنتیں
۵۳ حاشیہ	۱	نکمل	تکمل
//	//	اوبچیاں	اور بچیاں
//	۲	رہتی	بڑھتا
۵۵	۱۴	گذار گیا	گذر گیا
//	۱۵	حیض	حیض
۶۱	۹	المسلعت	المطلقت
۶۴		بجر	بھی
۷۲	۱۹	اس نے	اس کو
۷۳	۱۱	منقلع	منقطع
۷۶ حاشیہ	اخیر	اولایعنی	اولاد بھی
//	//	موجود	موجود ہو
۸۱	۱	بیان بھی	یہاں بھی
//	۶	اضاف	اضافہ
//	۱۸	مزور	ضرور
۸۷	۵	اس سے	اس خیال سے
۹۴	۱	نشریح	تسریح
//	۴	ذوجیت	زدجیت
۹۵	۱	تعلقہا	طلقہا
۹۷	۹	اموریہ	ماموربہ
//	۱۰	حقیقتا	حقیقت
۱۰۰	۱۹	چاہئے	جائے
۱۰۴ حاشیہ	۶	لا	رو
۱۰۷	۲۳	ہے	سے
۱۱۱	اخیر	ود ایسی	وہ ایسی
۱۱۳	۲۰	جاہیئے	جاسیئے
۱۱۴	۸	ہوجاتا	ہوجاتا ہے
//	۱۱	تشریحی	تسریحی
۱۲۵	۴	کس	کسی
//	۱۹	اتنا	اتنا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۸	ڈر پیہ	ڈر سیئے
۶	۱۷	بیچ کر	پیچ کر
۷	۳	تکلمہ	تکلمہ
۷	۱۷	تیلا رہے میر	مبتلا رہتے ہیں
۱۲	۱۴	باتو	باتوں
//	۱۷	رسم	پرسم
۱۴	۵	کمر	سکرہ
//	۱۳	نارکودہ	مذکورہ
//	۱۶	ملاحطہ	ملاحظہ
۱۵	۴	کھائے	کھاتے
//	۱۳	وسلام	والسلام
۱۷	۱۶	الزبیہ	الزبرجد
//	//	نبراہیں	براہین
//	۱۱	مہدویت بحیت	مہدویت و مسیحیت
//	۲۰	برتناہوں	برتتا ہوں
۱۸	اخیر	مسیائی	مسیحائی
۱۹	۱۷	بائیں	بائیں
//	//	مہدفہمی	عہد فہمی
//	۱۸	رجعی رافضی	رافضی
۲۰	۹	دیتہم	دینیہم
۲۱	۳	جائیگا	جائیگا
//	۷	الاحادیت	الاحادیث
۲۳	۱۰	ساتو	ساتھ
//	۱۴	منافقی	منافقین
۲۴	۳۰	قوانیں	قوانین
۲۶	۴	ھم	ہم
//	۷	العادی	العمادی
//	۲۰	امتی تھی	رہتی تھی
۲۷	۱۹	بیھرمہ	پھر کر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	اخیر	جان	بیان	۸۶	۱۰	مختصر	مختصر
۳۱	۳	العیسر	العسر	۸۸	۱۷	پیوند بھاں	پیوند یہاں
"	۴	ہوتے ہیں	ہوئے ہیں	۹۰	اخیر	فراکردیاگیا	فراکر کردیا گیا
۳۸	۲۴	فتح	فسخ	" (حاشیہ)	۵	ہاں	وہاں
۳۹	آخر صفحہ	ہوئی تھی	ہوتی ہے	" "	اخیر	النقد	النقد
۴۲	۷	غیر مبرح	غیر مبرّح	۹۶	۱۸	یا مقالیہ	یا مقالیہ
۴۸	۲	موشرت	معاشرت	۱۰۸ (حاشیہ)	۱	فی بھی	فی بتی
۶۱	۷	ایسی	اسی	۱۱۰	۹	دلائی کئی	دلائی گئی
"	۱۰	لاام	لام	"	۱۱	کسی طرح	کس طرح
۶۰	۲ و ۳	کرنے والوں نے	کرنے والے	۱۱۳	۱۰	تشکیح سے ہے	تشکیح سے
"	قبل آخر	علمی	علم				

معذرت

لکھنے والے کچھ نہ کچھ حرف غلط لکھتے رہے
بس انہیں حرفوں سے میری داستاں بنتی گئی } تمنا عمادی

عربی فارسی سے نابلد، اردو میں کمزور کاتب کی کتابت غلطیوں سے پاک نہیں رہ سکتی ہیں ضعف بصارت کے باعث تصحیح سے قاصر رہا۔ غلط نامہ شائع کرنا پڑا۔ ناظرین پہلے تصحیح فرمالیں تب پڑھیں۔

واجرکم علی اللہ

تمنا غفرلہٗ "

معذرت تلخ نوائی

عام ناظرین، خصوصاً علمائے کرام وفقہم اللہ لما یحبہ ویرضی عنہ سے بڑی لجاجت کے ساتھ میری التجا ہے کہ ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

قرآن مجید پر اہل روایات کے حملے اور طرح طرح کے حملے دیکھتے دیکھتے میرا دل پک گیا ہے۔ میں مجبور ہوں کہ زبان قلم ہی سے اپنے زخم دل کی ٹیسیں پر آہ وفغاں کروں۔ اور جن لوگوں کی بدولت میرے دل میں یہ زخم پیدا ہوا ہے ان سے انتقام لوں۔ اور میرا یہ غصہ صرف جذبہ الذب عن القرآن المجید میں ہے۔ قرآن مجید پر جتنے حملے لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ کیے ہیں، میں ان شاء اللہ المنعان سب کی مدافعت قرآن مجید کی طرف سے کرونگا اور کر رہا ہوں۔ کتاب اعجاز القرآن جسکی پہلی قسط ہے۔ اس کا دوسرا حصہ بھی ان شاء اللہ تعالےٰ حاضر خدمت ہوگا۔ آپ حضرات کے ایمانی جذبے سے امید قوی ہے کہ آپ میرے اس جہاد فی سبیل اللہ میں میرا ساتھ دینگے، ورنہ کم سے کم مجھکو معذور سمجھینگے۔ ؎

الا انی من ھوی العذراء معذرۃ

والسلام
آپ کا کمترین بھائی
تمنا عمادی غفرلہ

عـــہ چھوٹا ہوا حاشیہ صفحہ ۵۵ کا قول تعالےٰ واحصوا العدۃ ۔ اہل لغت احصاء کو حصیٰ سے مستنبط قرار دیتے ہیں جسکے معنی کنکری ۔ احصاء کے معنی کنکریوں پر گنتا ۔ چونکہ مفسرین یہاں واحصوا العدۃ کے معنی لکھتے ہیں کہ طلاق کی عدت کو یعنی اسکے تینوں حیضوں کو گنتے رہو ۔

حالانکہ احصار کا لفظ گننے کے معنی میں کہیں بھی مستعمل نہیں ہوا ہے ۔ احصاء درحقیقت حصیٰ یحصو حصواً سے بنا ہے ۔ جسکے معنی ہیں منعہٗ ای حامی عنہ وصانہ من ان یضام ۔ اسی لیے قرآن مجید میں احصاء یہاں بھی جس صیغے کی شکل میں بھی آیا ہے حفظ و ضبط میں رکھنے ہی کے معنی میں آیا ہے ۔ گننے کے معنی میں ایک جگہ بھی نہیں آیا ہے ۔ البتہ متعدد چیزوں کو گن کر بھی حفظ و ضبط میں رکھتے ہیں اسلئے اس کے ساتھ عدد کا لفظ بھی وہاں ضرور آتا ہے جہاں گن کر حفظ و ضبط میں رکھنا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ جیسے احصاھم وعدھم عدًا ۔ یا احصیٰ کل شیئ عددا تو ایسے مواقع میں گننے کا مفہوم عدًا اور عددًا سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ احصار سے ۱۲

منہ غفرلہٗ

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون

ان الذین یلحدون فی ایتنا لا یخفون علینا
افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی امنا یوم القیمۃ ط ،
اعملوا ما شئتم ط انہ بما تعملون بصیر ہ ،

الطلاق مرتٰن

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم
تعلمون ط

اعلان کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ

بزبان قلم تمنا عمادی مجیبی پھلواروی پاکستان غفرلہ

مطبوعہ: عزیزیہ آرٹ پریس ۲۵۷ لالباغ روڈ،
ڈھاکہ

کتبہ محمد عبدالجلیل کرلائی

میرے محترم بزرگو! بھائیو اور عزیزو!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے۔ اپنی طرف سے ایک حرف نہیں لکھا ہے قرآن مجید نے جو کچھ فرمایا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یاد رکھئے کہ سارے مفسرین و محدثین و فقہاء و مجتہدین سب کے سب یکجائی طور سے بھی قیامت کے دن آپ کی کچھ مدد نہیں کرینگے اور نہ کر سکینگے۔ اب آپ تو روایات کی تلواروں سے قرآن مجید کی آیات کو لِلّٰہ ذبح نہ کیجئے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ناخوشی سے بہت ڈرئیے۔

قیامت دور سہی

مگر من مات فقد قامت قیامتہ

معروضہ تمنا عمادی غفرلہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین وسلٰم علی المرسلین لاسیما علی خاتم النبیین وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے میرے اور سارے عالم کے رب! تو نے سارے جن انس کو پیدا کیا۔ تو نے ان سب کی ہدایت کے لیے انبیاء و مرسلین بھیجے، تو نے ان پر اپنی کتابیں اتاریں۔ تو نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کا سامان کر دیا اگلے انبیاء و مرسلین کے بعد آخری رسول خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو بھیج کر اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید اتار کر تو نے نبیوں کے بھیجنے اور کسی اور کتاب کے اتارنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے تیری کتاب قرآن مجید کی پوری تعلیم کر کے ایک بڑی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تیار کر دی اور قرآنی تعلیم کے مطابق دین حق کا ایک واضح اور روشن راستہ قائم کر دیا جس پر تاحیات وہ خود بھی چلتے رہے، اور اپنے پیچھے اپنے صحابیوں کو بھی چلاتے رہے۔ اسی راستے کا نام تو نے "سبیل المومنین" رکھا۔ اور صاف طور سے قرآن مجید میں تو نے فرمایا

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّٰی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ جس نے اس رسول سے

علیحدگی اختیار کی باوجود اسکے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہے اور "سبیل المومنین" (اُن ایمان والوں کی راہ) کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کی تو وہ جدھر جارہا ہے ہم اس کو اسی طرف دھکیل دیتے ہیں، اور (مرنے کے بعد) اس کو جہنم میں جھونک دینگے۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے،، تو نے اس آیت کریمہ میں المومنین پر عہد کا الف لام لگا کر یہ بھی بتادیا کہ وہی مومنین کاملین۔ السابقون الاولون من المهاجرین والانصار رضی اللہ عنہم مراد ہیں جن سے تو راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی رہے اور جن کے اتباع بالاحسان پر تیری رضامندی موقوف ہے۔ یعنی جو لوگ ان کا اتباع نہیں کرتے تو ایسے لوگوں سے کبھی راضی نہ ہوگا۔ اسی لئے تیرے رسول نے بھی اپنی امت کے ایک فرقے کے سوا سب فرقوں کو دوزخی قرار دیا۔ پوچھنے والوں کو بتادیا کہ نجات پانے والا کامیاب فرقہ وہی ہوگا جو اس طریقے پر چلے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ اور اے رب العلمین خود تو نے بھی قرآن مجید میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ایمان کے متعلق صاف فرمادیا صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے کہ فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم فی شقاق ج ۔"

"تو اگر وہ لوگ اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا ایمان تم لوگ رکھتے ہو تو البتہ ان لوگوں نے ہدایت پالی۔ ورنہ وہ مخالفت میں پڑے ہیں" (البقرہ آیت ۱۳۷) اے اللہ تو نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمادیا کہ ان الذین فرقوا دینهم وكانوا شيعا لست منهم فی شئ،، اے رسول! جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی پیدا کرلی، اور پارٹی پارٹی ہو گئے، تم کو ان سے کسی بات میں بھی کوئی سروکار نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مسلمانوں نے بھی جو شیعہ، سنی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، صوفی، اہل حدیث وغیرہ کی فرقہ بندی پیدا کر کے پارٹی پارٹی اپنے کو بنالیا ہے۔ اسی کے باعث ان سب فرقوں کا رشتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کٹ گیا ہے۔ اے اللہ! تیری پیشین گوئی کیسی سچی اتری کہ آج جس فرقے کے لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پیش کی جائیں اگر ان کے مسلک کے موافق وہ آیت نہیں ہوتی تو وہ کبھی نہیں مانتے۔ وہ اپنے مسلک کے موافق قرآن مجید کی آیتوں کے خلاف بھی منافقین

د ملاحدہ اور گمراہ مذہب والوں کی من گھڑت روایتوں کا اور اپنے فرقے کے علماء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کا اتباع کرتے ہیں اور قرآن مجید کی صریح آیتوں کی سیاق عبارت اور اکثر قواعد صرف و نحو و اصول ادب عربی کے خلاف تاویلیں کرکے اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ قرآن مجید کو ان من گھڑت روایتوں کا تابع بنا کر رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا رشتہ ایمان قرآن مجید کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ اور جب قرآن مجید کے ساتھ ان کا رشتہ باقی نہ رہا تو قرآن مجید کے لانے والے رسول صلعم کے ساتھ کب باقی رہا۔

اے رب العلمین! تو ہر دل کی ہر چھپی سے چھپی بات کو جانتا ہے۔ تو اس کا گواہ ہے کہ میں سنت رسول کو دین میں حجت و سند سمجھتا ہوں۔ اور جتنا بھی تو نے مجھکو علم دیا ہے سنت نبوی سے دین کی کسی بات میں حتے الوسع انحراف نہیں کرتا اور جو شخص سنت نبوی کے اتباع کا منکر ہو میں اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ مگر ہر وہ قول جو حدیث رسول کہکر روایت کر دیا گیا ہو وہ سنت رسول نہیں ہو سکتا۔ تو خوب جانتا ہے کہ تیرے رسول نے خود فرما دیا تھا کہ تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علے کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ و ما خالفہ فردوہ ،، امیرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی۔ اسلئے جو قول میرے طرف منسوب کرکے تمہارے سامنے روایت کیا جائے اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو اس کے موافق ہو اسکو قبول کرو، جو کتاب اللہ کے خلاف ہو، اس کو رد کر دو ،، اور یہ ایسی صحیح حدیث ہے کہ اہل سنت کی بھی کتابوں میں منقول ہے اور شیعوں کے یہاں بھی تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ مروی ہے۔ مگر ایک مدت دراز سے لوگ کتاب اللہ کے سامنے حدیثوں کو پیش نہیں کرتے۔ بلکہ محض رفع الزام کے لئے کبھی کبھی حدیثوں کے سامنے کتاب اللہ کو پیش کر دیتے ہیں۔ اور لوگوں کی من گھڑت حدیثوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتوں میں لفظی و معنوی تحریفیں کیا کرتے ہیں۔

اے رب العلمین! تو جانتا ہے کہ آج سے تقریباً چالیس سال پیشتر سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی تفسیر جلسۂ قرآن میں بیان کرنے کے وقت وراثت کی آیتوں پر غور کرنے کے لئے تفسیر کی کتابیں دیکھ رہا تھا تو سورۂ نساء کی بارھویں

آیت میں جو تو نے فرمایا ہے۔ "وان کان رجل یورث کللۃ او امرأۃ و لہ
اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس" اور اگر کوئی مرد لاولد ہو کر مورث
ہو یا کوئی عورت اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے جو بھی ہو اس کیلئے
میراث کا چھٹا حصہ ہے" اس آیت کی تفسیر میں ہر مفسر اخ او اخت کے بعد من ام۔
اور بعضوں میں لام کا لفظ لکھا نظر آیا۔ اور پھر مفسرین نے یہ روایت بھی لکھی کہ حضرت
ابی بن کعب کے مصحف میں یہاں پر من ام کا لفظ تھا بھی۔ اور وہ اس آیت کو من ام کے
ساتھ ہی پڑھتے تھے یعنی وہ بھائی یا بہن سوتیلے ہوں ماں کی طرف سے مرنے والے مورث
اور اس بھائی یا بہن کے باپ دو ہوں مگر ماں ایک ہو جسکو "اخیافی" کہتے ہیں۔ اس کا
مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جو قرآن کا نسخہ تھا وہ صحیح نسخہ تھا۔ ان کے
سوا جس کے پاس بھی قرآن کے نسخے تھے وہ سب ناقص تھے۔ اور آج تک سارے قرآن
ناقص ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب کے سوا سب کے سب ناقص ہی قرآن پڑھتے رہے۔ خدا جانے
حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کس طرح پڑھتے تھے۔ اور وہ بھی فتویٰ حضرت
ابی بن کعب ہی کے قرآن کے مطابق دیا کرتے تھے یا اپنے قرآن کے مطابق۔

اے ہر کھلی چھپی بات کے جاننے والے رب العلمین! تو اس کا گواہ ہے کہ میرے
دل کو سخت بے چینی تھی۔ صبح کے ناشتے چائے کے بعد سے کتابیں دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا
تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس تفسیر کو کس طرح صحیح مانوں۔ آخر ظہر کا وقت جب ہوا
تو قرآن مجید اور تفسیریں بیچ کر اٹھا تو فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ یہ اسکی کتاب ہے۔
اسکی دشواری کو اللہ تعالیٰ ہی حل کر سکتا ہے بس دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو لئے گھر کے
اس دالان میں جو بیٹھک مسجد کے طور پر تھا پہنچا اور روتا ہے اپنی جانماز پہ کھڑا ہوا دعا کی
کہ اے اللہ میرا ایمان اسکو قبول نہیں کرتا کہ یہاں پر من ام یا لام کا لفظ چھوٹا ہوا ہے
تو حقیقت حال ہم پر واضح کر دے اور اپنے کلام کا صحیح مطلب ہم کو سمجھا دے۔ اے
اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اس وقت سنت و فرض کس عالم میں ادا کی تھی۔ اور اے میرے
رب! تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا تو میری ساری مشکل
حل تھی۔ ابھی اس دالان سے باہر وہاں پہنچا بھی نہ تھا جہاں سے اٹھکر نماز کے لئے آیا
تھا کہ تو نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ من ام یا لام کا اضافہ منافقین عجم کا افترا

ہے - اور یہاں بھائی بہن کا حصہ باپ ماں کے ہوتے بیان کیا گیا ہے - اور آخر سورہ نساء میں جو بھائی بہن کے حصے ہیں وہ ایسی صورت میں کہ میت کے نہ اولاد ہوں نہ والدین - اور کلالہ کی یہ تعریف کہ جس میت کے نہ اولاد ہو نہ والدین غلط ہے - کلالہ صرف لاولد میّت کو کہتے ہیں - اور ایسے وارث کو کلالہ کہتے جو میت کی نہ اولاد ہو نہ والدین میں سے کوئی ہو - بھائی بہن کی وراثت کو خاص طور سے وراثت کلالہ کہتے ہیں -

اے رب العلمین ! تو عالم الغیب اور علےٰ کل شئی شہید ہے - تو جانتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کلالہ کے معنی اور آیت وراثت کی تفسیر پر پوری کتاب بڑی محنت سے محض تیری ہی توفیق کی بدولت لکھ ڈالی اسی ضمن میں قانون حجب (حاجب و محجوب ہونا) پر بھی پوری روشنی پڑ گئی - چونکہ علماء و فقہاء باپ کے ہوتے بھائی بہن کو محجوب قرار دیتے ہیں - اس سلسلے میں یتیم پوتا پوتی وغیرہ کی وراثت کے واضح دلائل بھی خود بخود مہیا ہو گئے - اور ایک مدت تک میرا مسودہ متعدد علماء کے مطالعے میں رہا - مگر کسی سے میری کتاب کا جواب نہ ہو سکا -

اے رب العلمین مگر تو نے اپنی خداوندی مصلحت سے مجھکو ذاتی ضروریات سے زیادہ مال نہیں دیا کہ میں اس کتاب کو چھپواتا - اس لئے وہ کتاب ابتک مسودے ہی کی شکل میں میرے پاس پڑی ہے اور یقینی ہے کہ میرے بعد کیڑوں کی خوراک بن جائیگی - شاید تیری یہی مرضی ہو کہ مسلمانوں نے جب فرقہ بندی اختیار کر کے قرآن مجید سے اپنا رشتہ توڑ لیا تو انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں جو ان کی خود پیدا کی ہوئی ہیں - اگر کسی قدر اصلاح کی طرف آئیں بھی تو غلط راستے سے - چنانچہ یتیم پوتوں پوتیوں پر ترس کھا کر ان کو حصہ دلانے کی کوشش کی - مگر ترس کھا کر جذبات کے ماتحت تو کسی مسئلے پر غور کرنا صحیح نہیں - ہر طرح کے جذبات سے خالی ہو کر نفس آیات قرآنی کے پیش نظر غور کرنا چاہیئے اس لئے ان لوگوں نے باپ کے ہوتے بھائی بہن کو حصہ نہیں دلوایا چونکہ ان پر ان کو ترس نہیں آیا - یتیموں پر ترس آیا اسلئے صرف یتیموں کو حصہ دلوایا - حالانکہ قرآن مجید یتیموں کو بھی حصہ دلوا رہا ہے اور باپ ماں کے ہوتے بھائی بہن کو بھی - قرآن کا اتباع مقصود ہوتا تو یتیموں کی طرح بھائی بہن کو بھی حصہ دلواتے - صرف جذبات ترحم کا اتباع کیا گیا اس لئے جن پر ترس آیا ان کو حصہ دلوایا - جن پر ترس نہیں آیا ان کو حصہ نہیں دلوایا -

کلالہ کے بعد حلالہ

اے رب العلمین! تیرے سوا میں کسکو شہادت میں پیش کروں تو نے خود فرمایا کہ وکفی باللہ شہیدا اللہ گواہی کے لئے بہت کافی ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ سالہا سال سے تلاوت میں یا تفسیر کے جلسوں میں، یا کتاب الطلاق کی تصنیف کے وقت اور پھر اس پر دو بارہ سہ بارہ اور چار بارہ نظر ثانی کے وقت مجھکو ہمیشہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۰ کا ابتدائی حصہ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غیرہ ط کھٹکتا رہا کہ اس فان طلقها کا عطف جو مفسرین الطلاق مرتن پر کرتے ہیں اور فان طلقها کے بعد لکھدیتے ہیں ای طلقة ثالثة یہ کس بنیاد پر؟ اور جو پھر بھی بات بنتی نظر نہیں آتی تو فرماتے ہیں کہ فان طلقها پر (فی) تفسیر کیلئے آئی ہے۔ اور یہ جملہ تفسیر ہے او تسریح باحسان کی سارے فقہا سارے مفسرین سارے ائمہ مجتہدین اور سارے محدثین یہی فرماتے ہیں کسی فرقے کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے اپنی جہالت کا اعتراف کرکے رہ جاتا تھا۔ اور جسکو جمہور کہتے آرہے ہیں۔ ایک ہزار برس سے امت کا جس پر اجماع ہے اسی کو کراہا و جبرًا صحیح سمجھکر تفسیر کے جلسوں میں بیان کرتا رہا۔ اور اپنی کتاب میں بھی لکھا۔ ہر بار کی نظر ثانی میں یہ کھٹک محسوس ہوئی مگر ہزار سالہ جمہور امت کا اجماع سامنے آکر ڈراونی شکل میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسلئے ہیبت سے کچھ سوجھتا نہ تھا۔

اے رب العلمین! تو اس کا گواہ ہے کہ میں قرآن مجید کے مقابل کسی بڑی سے بڑی چیز کی بھی کچھ اہمیت نہیں سمجھتا۔ لیکن اس خوفناک اجماع کا رعب ایسا چھایا ہوا تھا کہ سامنے کا لفظ مجھکو نظر نہیں آرہا تھا۔ یکایک جب اپنی کتاب الطلاق پہ پانچویں بار نظر غور ڈالی

سلہ تو اگر اس نے اسکو طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہ رہیگی جبتک اس کے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے یہ مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے تیسری طلاق۔ اور وہ من کا عطف بالکل قریب کا لفظ چھوڑ کر پچھلی لفظ اوپر الطلاق مرتن پر کرتے ہیں۔ اور ثابت کرنا چاہتے کہ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دیدے تو اسکی بیوی حرام ہو جائیگی۔ مگر یہ مطلب عربی ادب کے قواعد کے رو سے نہیں نکل سکتا جس کی بحث آگے آئیگی ۱۲

تو تیری ہی طرف سے میری شرح صدر ہو گئی اور اچانک ایسا معلوم ہوا کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی تھی جو فان طلقہا (تو اگر اس نے اس کو طلاق دیدی) کا فاعل و مفعول مجھکو نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ پٹی کسی نے کھول دی اور مجھکو اس لفظ کے پہلے سامنے ہی اسکے فاعل و مفعول نظر آنے لگے۔ اور اللہ تعالے نے میرے دل میں ڈال دیا کہ فان طلقہا کے معنی یہ ہیں کہ "تو اگر اس بیوی سے مال لے کر طلاق دینے والے یعنی خلع کرنے والے شوہر نے اس مال دے کر طلاق خریدنے والی یعنی خلع کرانے والی بیوی کو طلاق دیدی فلا تحل لہ من بعد حتے تنکح زوجاً غیرہ تو وہ خلع کرانے والی بیوی اس خلع کرنے والے شوہر کے مال لینے کے بعد اسکے لئے حلال نہ ہوگی جبتک وہ اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ اس کے بعد جو اوپر سے ملا کر غور کیا تو پہلی صورت میں جو نحوی مسلمہ قواعد اور ادبی مسلمہ اصول کی مخالفتیں نظر آرہی تھیں اور عبارت میں الجھاؤ نظر آرہا تھا سب دور ہو گیا۔ اس کے بعد تصحیح خیال کے لئے اپنے دستور کے مطابق بعض مخلص علماء سے بتاویلہ خیالات کیے بحثیں ہوئیں سب نے اس کی تصدیق کی کہ جو تفسیر تم پیش کرتے ہو وہ ہر خلش سے پاک ہے اور ہر طرح صاف اور واضح ہے اس میں شک نہیں۔ مگر وہی جمہور امت کے ہزار سالہ اجماع کا پہاڑ ان کے بھی سامنے تھا۔ مگر میرے سامنے سے تو وہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح پاش پاش ہو کر اڑ چکا تھا محض تیری توفیق اور تیری تائید کی بدولت. تیرا وعدہ ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا "جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے رہینگے ہم ان کو اپنی راہیں دکھاتے رہینگے"۔ اے میرے رب تو جانتا ہے کہ پچاس برس سے زیادہ کی مدت ہوگئی کہ باوجود ہر طرف کی مخالفتوں کے صرف تیری رضا طلبی کے لئے تیرے دین تیری کتاب کی خدمت کر رہا ہوں۔ اور اس کے سوا میرا کوئی اور مستقل کام نہیں ہے۔ اور کسی دوسرے سے اس دینی خدمت کا میں نے کبھی کوئی معاوضہ نہیں طلب کیا۔ حیدرآباد دکن کی حکومت آصفیہ مرحومہ کی طرف سے جو سو روپے ماہانہ کا وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا۔ تو یا اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے اسکے لئے کوئی درخواست نہیں دی تھی نہ کسی کو سفارش کیلئے کہا تھا مجھکو گھر بیٹھے اچانک تار کے ذریعے خبر صوبہ بہار (؟) قوم ... مرحوم نے جو وہاں صدر المہام قانونی امور مذہبی تھے۔ خبر دی کہ میری سفارش سے آپکے لئے سو روپے ماہانہ کا وظیفہ بسلسلہ انگریزی حکومت آصفیہ کی طرف سے مقرر

ہوگیا ہے۔ جو میری ہجرت کے بعد ڈھاکہ میں سقوط حکومت حیدرآباد کے بعد تک مجھکو ملتا رہا۔ منی آڈر کی آمد و رفت جب ہندوستان و پاکستان کے درمیان بند ہوئی تو اس وظیفے آنا بھی موقوف ہوگیا۔ اور پھر وہ محکمہ امور مذہبی ہی وہاں ختم کر دیا گیا جس محکمے سے وہ رقم آتی تھی ؎ اے داغ! اہل قلعہ کا لٹنا تو درکنار، تنخواہ بھی خزانہ شاہی میں رہ گئی ؛ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اظہار افسوس حکومت آصفیہ پر ہے، وظیفے کی موقوفی پر نہیں)۔

اے رب العٰلمین! میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ تیرے حکم کی تعمیل ہے تو نے فرمایا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ "اور اپنے رب کے احسانوں کا ذکر کرتے رہو" اور اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ میں خواہ مخواہ جمہور امت اور ہزار سالہ اجماع کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں نہ اسکو اپنے لئے باعث شہرت و نام و نمود سمجھتا ہوں۔ اسی لئے اے اللہ! تجھکو صرف تجھی کو گواہ رکھکر تیری ہی سامنے عرض کر رہا ہوں کہ میرا مقصود صرف حق کو حق ثابت کرنا اور باطل کو باطل ثابت کرنا ہے۔ ورنہ اگلے مفسرین و محدثین و مجتہدین رضی اللہ عنہم سب کو میں اپنا بزرگ سمجھتا ہوں وہی لوگ تو میرے استاذ ہیں انہیں کی کتابیں پڑھکر تو قرآن و حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت مجھ میں آئی ہے۔ صحیح و غلط حدیثوں کو میں جانچتا اور پرکھتا ہوں تو انہیں محدثین کے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے اصول کے مطابق قرآن مجید کو سمجھتا ہوں تو انہیں بزرگوں کی لغت و صرف و نحو و معانی و بیان کی کتابوں کی بدولت اس لئے ربنا اغفرلہم

بندۂ ہمت اسلام و آں سفلہ نیم ۔ کہ خورم من نمک و باز نمکدان شکنم

مگر ایمان رکھتا ہوں قرآن مجید پر۔ قرآن مجید کے خلاف میں دس ہزار برس کے بھی متفق علیہ اجماع کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگلے بزرگوں کا احترام ہم پر واجب ہے مگر تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون ۝ یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی۔ ان کے اعمال ان کے لئے۔ تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ انکے اعمال تم سے نہیں پوچھے جائینگے۔ جب اے رب العٰلمین تو نے خود یہ فرما دیا ہے تو ہم تیری کتاب کے سیاق و سباق کے خلاف کس طرح اگلے بزرگوں کی طرف منسوب اقوال کو صحیح سمجھ لیں اور ان کا اتباع کریں۔

اے اللہ! ہمارے سامنے تیرے رسول موجود نہیں کہ ان سے پوچھ لیں۔ تیرے رسول کے وہ صحابہ موجود نہیں جن کے اتباع پر تیری رضامندی موقوف ہے۔ کہ ان سے دریافت کرلیں ان سابقون اولون کے تابعین بالاحسان بھی موجود نہیں کہ ان سے حقیقت امر کا پتا لگالیں۔ یہاں تک کہ وہ محدثین ومجتہدین ومفسرین بھی موجود نہیں کہ ان سے باادب عرض کریں کہ حضور نے قرآن مجید کے سیاق عبارت اور اصول ادب عربی کے خلاف فلاں آیت کے معنی اس طرح کس قرآنی بنیاد پر لکھدیئے؟ ایسی حالت میں اے رب العالمین جب صرف لکھی ہوئی کتابوں ہی پر ایمان لانا ہے تو ہم لوگ تو تیرے بندے ہیں تیری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ رسول رحمت صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر سارے تابعین اور سارے اتباع تابعین اور سارے مفسرین ومحدثین ومجتہدین کا ایمان تیری ہی کتاب پر تھا تو پھر جب کتابوں ہی پر ایمان لانا ہے تو تیری کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں پر کس طرح بلا چون وچرا ایمان لے آؤں، خصوصاً جب ان میں بعض باتیں تیری کتاب قرآن مجید کے صراحۃً خلاف مجھکو نظر آرہی ہیں۔ اور جو باتیں خلاف نظر آرہی ہیں ان کو آنکھیں بند کرکے کس طرح قرآن مجید کے مطابق فرض کرلوں۔ اسلئے میں کلالہ والی کتاب تو تیری توفیق کی بدولت لکھ چکا ہوں اب یہ کتاب حلالہ پر لکھ رہا ہوں۔ اب مجھکو اختیار ہے اس کتاب کو بھی مسودہ ہی کی شکل میں میرے بعد تک رکھدے یا کیڑوں کی خوراک بنائے یا دونوں کی یا کم سے کم اسکی اشاعت کا کوئی سامان کردے۔ تیری مصلحت خداوندی کا اب جو تقاضا ہو میں محض تیری رضا طلبی کیلئے تیرے دین کی خدمت سمجھکر اس ۸۷ سالہ ضعیفی کی عمر میں تقریباً تین برس سے شب بھر سوتا نہیں ہوں اور رات بھر باوجود ضعف بصارت کے لکھتا ہی رہتا ہوں۔ پوری کتاب الطلاق بھی تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ مگر یہ رسالہ صرف حلالہ کے متعلق تیرے حضور میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ کہ اس کی تصنیف کا مقصد صرف تیرے دین کی خدمت اور صرف تیری رضا ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط

تیرا کمترین سے کمترین بندہ تمنا عمادی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین. وسلام علی المرسلین لاسیما علے خاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ واھلبیتہ اجمعین۔ "

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ہ الاھم ربنا ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ولا تجعلنا کالذین اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ ولا تجعلنا کالذی اتخذ الھہ ھوٰنہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ اللھم اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ط ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ط
ربنا انک رؤف رحیم ہ

اے ہمارے رب تو نے ہم لوگوں کی ہدایت کا سامان مہیا کر دیا ہے تو اس کے بعد ہم لوگوں کے دلوں کو کجروی کی طرف مائل نہ ہونے دے۔ اور ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما۔ تو بہت بڑا داتا ہے۔ اے ہمارے اللہ! اے ہمارے رب! حق بات ہو تو ہمیں سمجھا دے کہ یہ حق ہے اور ہم لوگوں کو اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اور باطل بات ہو تو ہمیں سمجھا دے کہ یہ باطل ہے اور ہمیں اس سے بچے رہنے کی ہمت روزی کر اور ہم لوگوں کو ان لوگوں جیسا نہ بنا دے جنہوں نے اپنے فقہاء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیا۔ اور نہ اس جیسا بنا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ تو پھر با وجود علم رکھنے کے جیسے وہ گمراہی ہی کی طرف چلا تو اللہ نے اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا۔ اور اسکی سماعت و قلب پر (گویا) مہر لگا دی (کہ نہ حق بات سنے نہ سمجھے)۔ اے ہمارے رب! ہم لوگوں

کو بخش دے اور ہم لوگوں پر جو لوگ ایمان میں سبقت لے گئے ان سب کو بخش دے ۔ اور ہم لوگوں کے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کھوٹ نہ پیدا ہونے دے ہمارے رب تو بڑا مہربان بڑا رحیم ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ٥ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون ٥ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون ٥

اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اس کے مطابق جو لوگ (حقوق و معاملات کا) فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں ظالم ہیں فاسق ہیں ۔ سورہ مائدہ آیات ۴۴ و ۴۵ و ۴۷ ۔ رکوع ۷

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیّنٰہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللّٰعنون ٥ ۔

جو واضح حقیقتیں اور ہدایت کی باتیں ہم نے اتاری ہیں سارے لوگوں کے لیے اس کتاب میں ان کو بیان کر دیا ہے اسکے بعد بھی جو لوگ ان (واضح حقیقتوں اور ہدایت کی باتوں کو دوسروں سے) چھپاتے ہیں، اللہ ان پر لعنت کرتا ہے ۔ اور سارے لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۹ رکوع ۱۹)"

معذرت

من نہ چیزے دگرے ای علمای بہم امر شیئے است کہ از بہر خدامی پرسم
انچہ پرسند بمحشر ز شما از رہ زجر من ہماں با ادب اکنوں ز شمامی پرسم

اے اہل بزم بر نج مگیرید زیں فغاں کم بود ذوق نغمہ تو تا تلخ تر زدم

حضرات علمائے کرام سے التجا

مجھکو اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔ اس لئے بخوبی ممکن ہے کہ میں شیطانی وسوسے کے باعث جہل مرکب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اور قرآنی آیات کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ اگر آپ کے نزدیک ایسا ہی ہے تو للہ میری دستگیری فرمائیے اور مجھکو گمراہی سے بچائیے۔ یہ میں تصنع سے نہیں کر رہا ہوں وکفیٰ باللہ شہیدا آپ حضرات میں جو بزرگ بھی میرے معروضات کے متعلق جو کچھ فرمائینگے میں اللہ تعالےٰ کو گواہ رکھکر کہتا ہوں کہ آپکے ارشادات کو نہایت ٹھنڈے دل سے بڑی مسرت کے ساتھ پڑھونگا۔ اور ایمان و دیانت کے ساتھ ان پر غور کروں گا۔ اگر میرے شبہات رفع ہوگئے۔ اور میرے اعتراضوں کا آپ نے معقول جواب دیدیا تو کبھی ضد اور ہٹدھرمی سے کام نہ لونگا۔ اگر میں ہٹدھرمی سے کام لوں تو میں اللہ تعالےٰ کی لعنت کا مستحق ہونگا اور اگر آپ حضرات نے میرے معروضات کی طرف توجہ نکی یا پڑھنے کے بعد بالکل خموشی اختیار کر لی یا تھوڑا سا پڑھکر ڈالدیا۔ یا مجھکو منکر حدیث و منکر سنت وغیرہ قسم کے الفاظ سے تنابز بالالقاب کرنے لگے تو پھر صفحہ ۲ دوم پر کی مذکورہ آئینیں آپ کے سامنے ہیں۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن	از خدا ترس و کارِ ایماں کن

اور اگر میرے اعتراضوں کے جواب دیجیئے اور متقدمین کی تفسیر کو صحیح ثابت کیجیئے تو از راہ کرم اُن دس اصول مسلمہ کو پیش نظر رکھکر جواب دیجیئے جو آئندہ کسی صفحے پر آپ ملاحظہ فرمائینگے۔ اور اگر ان اصول ہی میں کسی اصل سے آپ کو اختلاف ہو تو اس اختلاف کو دلائل واضحہ کے ساتھ تحریر فرمائیے، اور باقی جن اصول سے آپ کو اتفاق ہوا ہے انہیں کو پیش نظر رکھکر ان کے مطابق جوابات دیجیئے۔ متقدمین کے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ فرمائیے۔ نفس آیات پر غور فرمائیے۔ بالکل خالی الذہن ہو کر حکیم سنائی کا یہ شعر ذہن میں رکھتے ہوئے۔

عروس معنی قرآن نقاب آنگہ براندازد	کہ خلوتخانہ دل را مجرد سازی از غوغا

میری گذارش مسلمانوں کے سارے فرقوں کے علمائے کرام سے ہے چاہے سُنی ہوں یا شیعہ، حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں حنبلی، صوفی ہوں، یا اہل حدیث۔ اور صرف مدارس

عربیہ کے فارغ التحصیل علماء ہی میرے مخاطب نہیں ہیں۔ ماہر عربی پروفیسر صاحبان اور دوسرے حضرات بھی میرے مخاطب ہیں۔ جس عربی دان قرآن مجید کے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والے کو میرا یہ رسالہ ملے وہ میرا مخاطب ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ میرے اس رسالے کو پڑھکر اپنی ایمان دارانہ رائے سے اللہ سے ڈرتے ہوئے بازپرس آخرت کا خوف کھاتے ہوئے مجھکو بذریعہ ڈاک مطلع کر دے۔ یا کسی اخبار یا رسالے میں اگر بھیجیں تو وہ اخبار یا رسالہ میرے پاس ضرور بھیجدیں۔

مدیران اخبارات و رسائل سے بھی عاجزانہ التجا یہ ہے کہ انکی خدمت میں میرا یہ رسالہ ان شاء اللہ المستعان ضرور جائیگا۔ وہ اس پر موافق یا مخالف اپنی دیانت کے مطابق ایماندارانہ ریویو ضرور کریں۔ خموشی نہ اختیار کریں۔ دینی باتوں میں خموشی اختیار کرنا خصوصًا جب اظہار رائے کی استدعا کی جاری ہو جائز نہیں۔ کتمان حق ایسا ہی گناہ ہے جس کے متعلق صفحہ دوم کی آیت وارد ہوئی ہے۔ اور جس پرچے میں وہ خود کچھ اس رسالے پر لکھیں یا کوئی دوسرا لکھے۔ وہ پرچہ ازراہ کرم میرے پاس ضرور بھیجدیں کہ مجھکو اس پر غور کرنے کا موقع ملے۔ واجرکم علے اللہ ——— والسلام

المستدعی

تمنا العمادی المجیبی غفرلہٗ

۱۴۳ عبدالعزیز لین۔ پیلی خانہ

ڈھاکہ ۔ ۹

مشرقی پاکستان

۱۰ / اکتوبر سنہ ۶۳ء

خصوصی مخاطب

مگر میرے مخصوص مخاطب جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب امیر جماعت احمدیہ و خلیفہ دوم جناب مرزا غلام احمد قادیانی رحمۃ اللہ مقیم مقام ربوہ (پاکستان) اور ان کی جماعت کے جملہ علماء ہیں۔

اس لئے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علماء ظنی روایات اور اپنے فرقے کے مجتہدین کے ظنی مجتہدات کے پابند ہیں۔ چاہے وہ روایات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں یا خلفائے راشدین یا کسی دوسرے صحابی کی طرف۔ یا شیعوں کے ائمہ کی طرف ساری روایتیں ظنی ہی ذرائع سے بعد والوں کو ملتی ہیں بخلاف جماعت احمدیہ قادیانیہ کے، کہ یہ جماعت مرزا صاحب کو مبعوث من اللہ مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق مانتی ہے، بقول ان کے وہ قرآن مجید ہی کی صحیح تعلیم و تبلیغ کیلئے مبعوث ہوئے۔ مرزا بشیر الدین صاحب نے بلا واسطہ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کی اسلئے وہ جو کچھ تفسیر لکھتے یا بیان کرتے ہیں، اگلے مفسرین کے اقوال یا تفسیری روایات کی بنا پر نہیں لکھتے ہیں۔ بزعم خود ایک نبی مرسل ایک مہدی و مسیح سے بلا واسطہ ان کی زبان اور اپنے کانوں سے سن کر لکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اسلئے ان کی بیان کردہ تفسیر خود ان کے اور ان کی جماعت کے نزدیک تو ضرور قطعی الصحت ہے۔ ان کے سوا سب اتباع ظنیات کے باعث غلط فہمی اور خطائے اجتہادی میں مبتلا ہو سکتے ہیں مگر بلا واسطہ مکالمہ الہی کا مدعی جو بقول خود قرآن مجید ہی کی تعلیم و تبلیغ و تبیین کے لئے منجانب اللہ مبعوث ہوئے تھے ان سے تو غلط فہمی قرآنی آیت کے سمجھنے میں اور خطائے اجتہادی قرآنی احکام کی تبیین میں (ان کے دعووں کی صحت کی صورت میں) کسی طرح بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ کبھی طلاق کے مسئلے میں اگلے فقہاء کے ہمخیال ہیں۔ اسلئے میرے اعتراضوں کے جواب دینے کے ذمہ دار سب سے زیادہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور دوسرے علمائے جماعت احمدیہ قادیانیہ ہیں۔ اس لئے مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور ان کی جماعت کے علماء سے میری استدعا ہے کہ وہ میرے رسالے کو خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ اور میری پیش کردہ تفسیر کو اور

اپنی تفسیر کو جو ان کو ان کے مسیح موعود سے ملی ہے دونوں کو ملا کر دیکھیں اور ایمان و دیانت سے غور فرما کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اعلان فرمائیں کہ کونسی تفسیر صحیح ہے اور حلالہ کی ضرورت قرآن مجید مختلعہ کے لئے بیان فرما رہا ہے یا تین طلاق پانے والیوں کے لئے۔ اور قرآن مجید نے تین طلاق کی کسی شکل میں بھی اجازت دی ہے یا نہیں۔ اور قرآن مجید سے کوئی عدت والی طلاق بھی وقوع طلاق کے ساتھ عدت شروع ہونے سے پہلے یا عدت شروع ہوتے ہی کیجائی ہوسکتی ہے؟ مگر جو کچھ فرمائیں بالبیّنات والزبر دلائل و براہین قطعیہ سے بیان فرمائیں۔ اور میرے پیش کردہ اصول مسلمہ کو پیش نظر رکھکر کسی اصول سے اختلاف ہو تو وجہ اختلاف مع دلائل بیان کر کے جن اصول سے اتفاق ہوا نہیں کے مطابق جو کچھ تحریر فرمانا ہو تحریر فرمائیں خموشی نہ اختیار کریں۔ اور کتمان حق نکریں۔ اور آیات مذکورہ صفحہ کا اپنے کو مصداق نہ بنائیں

جناب مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمہ | مرزا صاحب سے مجھکو اختلاف صرف ان کے دعویٰ مہدویت، مسیحیت و نبوت و رسالت کے متعلق ہے۔ ان کے ان دعوؤں کے سوا۔ عقائد و عبادات جو دین لیکر آتا ہے ان میں جہاں تک میں ان کو سمجھا ہوں میرے انکے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الا ماشاء اللہ پھر ان کے دینی خدمات انکی جماعت کے دینی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

میں کتنے وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے صوفیوں کو ان کے عقیدے کو شرک عظیم سمجھتے ہوئے بھی مرحوم یا رحمۃ اللہ یا مرحوم و مغفور وغیرہ کلمات لکھتا ہوں حضرت شیخ محی الدین بن العربیؒ کی فصوص الحکم دیکھنے کے بعد پھر ان کی تفسیر پڑھنے کے بعد ایمان کیا کہتا ہے۔ اور ان کے متعلق میرے ضمیر نے کیا رائے قائم کی ہے میں لکھ نہیں سکتا۔ مگر آجتک انکو حضرت کہکر بھی یاد کرتا ہوں اور رحمۃ اللہ بھی لکھتا ہوں۔ تو جن لوگوں سے توحید و شرک کا اختلاف ہے۔ میں ان سے رواداری برتتا ہوں۔ تو جن سے صرف مہدویت و مسیحیت کا، اور بروزی یا امتی نبی ہونے کا اختلاف ہے ان کے ساتھ تعصب کیوں برتوں حاشا و کلا۔ میں مرزا صاحب کو جھوٹا کذاب نہیں کہتا۔ مگر ان کے ان دعوؤں کو صوفیانہ شطحیات سمجھتا ہوں۔ اسی طرح ان کے مکالمہ الٰہیہ کے دعوے کو بھی صوفیانہ مکاشفات سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ میں نے تصوف کی گود میں پرورش پائی ہے اور باضابطہ اسکی علمی و عملی تعلیم حاصل کی ہے اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنے مرشد ورسے اجازت و خلافت حاصل کی ہے۔ میں تصوف کی تمام گھاٹیوں سے خوب واقف ہوں۔ الغنی

الشیطٰن فی امنیتہ۔ سے جب انبیاء ورسل علیہم السلام نہیں بچے تو بزرگان صوفیہ کو اس سے محفوظ کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن کا مژدہ صرف انبیاء رسل کے لئے ہے۔ صوفیوں کے لئے نہیں۔ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہوئے ظلی و بروزی و امتی نبی ہونے کا دعویٰ دراصل کشفی او ہام کا نتیجہ تھا اگر اگلے بزرگان صوفیہ کو برطانیہ کے زمانے جیسی لسانی و قلمی آزادی ملی ہوتی کہ جو چاہتے بولتے اور جو چاہتے لکھتے تو کتنے ظلی و امتی نبی مرزا صاحب علیہ الرحمہ سے پہلے پیدا ہوئے رہتے۔

اور مہدی موعود کے ظہور اور مسیح موعود کے نزول کا عقیدہ تو محض ظنی اوہام سے زیادہ نہیں جن کی بنیاد ہی ظنی اور غیر معتبر حدیثوں پر ہے۔ ما انزل اللہ بھا من سلطٰن میں حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی طبعی موت کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مرزا صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق صحیح ہو اور وہ کشمیر ہی میں آکر وفات یاب ہوئے ہوں اور وہیں دفن ہوئے ہوں۔

میں نے جو کچھ مرزا صاحب کے متعلق لکھا ہے اپنی دیانت سے لکھا ہے۔ قادیانیوں کو خوش کرنے کیلئے نہیں لکھا ہے اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے اس لکھنے پر بھی مجھکو کافر ہی سمجھینگے۔ اور کافر ہی کہینگے۔ اور نہ کوئی احمدی میرے جنازے کی نماز پڑھیگا اور نہ میرے بعد میرے نام کے ساتھ "مرحوم" کا بھی لفظ لکھیگا۔

اور پھر مرزا صاحب ؒ کے دعووں کی صحت میرے اس استفسار ہی سے ہو جائیگی۔ اگر انھوں نے بھی وہی فرمایا ہے جو میں نے لکھا ہے۔ اور آیات زیر بحث کی تفسیر انھوں نے وہی بتائی ہے جو میں نے لکھی ہے۔ اور مجھ سے پہلے وہ اگلے مفسرین سے اس مسئلے میں یہی اختلاف کر چکے ہیں جو میں کر رہا ہوں تو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچے تھے۔ ورنہ پھر مرزا صاحب ؒ کے موجودہ خلیفے اور ان کی جماعت کے علماء کا اولین فرض ہے کہ وہ مرزا صاحب ؒ کی بتائی ہوئی تفسیر کو اصول مسلّمہ کے مطابق ادب عربی کے رو سے صحیح ثابت کریں اور میرے اعتراضوں کے جواب واضح دلائل سے دیں۔ اور میری بیان کردہ تفسیر کو اصول مسلمہ ادب عربی سے غلط ثابت کریں۔ اور میری غلطیوں کی دلائل و شواہد کے ذریعے نشاندہی فرمائیں۔ ؎

مسیحائی کا دعویٰ ہو تو آؤ
کچھ اعجاز مسیحائی دکھاؤ

یہ شکست خوردہ طریق استدلال مقتضائے دیانت نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیا ضمیر کا مرجع ضمیر سے کبھی بہت دور واقع نہیں ہوتا ہے؟ کیا اسم اشارہ کا مشار الیہ اس سے کبھی بہت پہلے نہیں آتا ہے؟ کیا عہد کا معہود ذہنی کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ مابعد کی تصریحات سے سمجھا جائے؟ کیا اسم تفضیل کبھی مفہوم تفضیل سے معرّیٰ نہیں ہوتا؟ وغیر ذلک من التاویلات الرکیکۃ الضعیفۃ

بے شک یہ ہوتا ہے۔ مگر ع ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد،

مرجع ضمیر قریب میں نہ ملیگا تو اس کے کھوج میں دور جانا ہی پڑیگا۔ جہاں تک دور جانا پڑے۔ مگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک مرجع یا مشار الیہ یا معہود سامنے موجود ہے یا قریب ہی میں ہے۔ اس کو چھوڑ کر ڈھنڈھورا شہر میں لڑکا بغل میں کی مثل کو عملاً پورا کر دکھایا جائے۔ وہ بھی جو مفہوم قریب سے پیدا ہو رہا ہے اس سے متغائر کوئی دوسرا مفہوم پیدا کرنے کے لئے۔ اسی طرح اسم تفضیل مفہوم تفضیل ہی کیلئے وضع ہوا ہے۔ وہیں وہ مفہوم تفضیل سے معرّیٰ سمجھا جائیگا۔ جہاں مفہوم تفضیل عقلاً مراد نہ لیا جاسکتا ہو۔ معہود فی الخارج موجود ہو تو اسکو چھوڑ کر کسی ایسی معہود کو معہود ذہنی بتانا جو نہ متکلم کے ذہن میں قبل سے موجود و مقصود ثابت کیا جاسکے نہ سامع کے ذہن میں ہو بعد والے کسی لفظ کے قرینے سے فقط ثابت کیا جائے۔ ایسا کیوں ہو۔ اور معہود ذہنی میں لفظ مذکور جس پر الف لام آتا ہے عام ہوتا ہے اور معہود اس کا کوئی خاص فرد یا کچھ خاص افراد۔ یہاں تو دونوں ایک ہی ہیں یہاں تو اسکا یعنی رجعی طلاق کے سوا پورے قرآن میں کسی بائن یا مغلظہ طلاق کا ذکر ہی نہیں۔ پھر الطلاق میں عہد ذہنی رجعی لاعینی کے ذریعے جو پیچھے بھاگے رہو طلاق مراد لینا جو پہلے مذکور ہے سعی لاحاصل ہے۔

اس لئے اس طرح کی ضعیف و رکیک بلکہ عرقوق تاویلوں سے کام نہ لیا جائے۔

ع ذوالفقار حیدری کے سامنے ؛ کاٹھ کی تلوار تو لے کر نہ آؤ

ہزار سالہ اجماع امت

مجھکو مسلمانوں کے سارے فرقوں کے آئمہ و مجتہدین و محدثین و مفسرین و فقہار و علمار کے ہزار سالہ اجماع سے مرعوب کیا جاتا ہے بے شک یہ ہزار سالہ اجماع امت ایک ایسی اہم چیز ہے جس سے ہر مسلمان مرعوب ہو جائے۔ مگر جس مسلمان کے سر پر قرآن مجید کا دست حمایت ہو وہ ایسے ہزار سالہ دس ہزار اجماع امت سے بھی مرعوب نہیں ہو سکتا۔ ہزار سالہ اجماع امت کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے سامنے ہو کر آئے۔ اجماع تو کسی حکم ظنی کو قطعی بنا دینے کیلئے ہوتا ہے۔ جہاں کوئی قطعی حکم نہ ہو۔ نہ کہ قطعی حکم کی مخالفت کے لئے۔ قرآن مجید نے تو فرمایا ہے۔ ولا تکونوا من المشرکین ۝ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاط کل حزب بما لدیھم فرحون ۝ تم لوگ مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی پیدا کر لی اور گروہ گروہ ہو گئے جس گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔ (روم آیت ۳۲ رکوع ۱۴) با وجود ایسی سخت ممانعت کے۔ اور با وجود اس سخت دھمکی کے ساتھ ممانعت کے کہ فرمایا گیا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت واولٰئک لھم عذاب عظیم ط اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقے فرقے ہو گئے اور (باہمی) اختلافات میں پڑے با وجود اسکے کہ ان کے پاس کھلی کھلی ہدایتیں آچکی تھیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے (ال عمران) مگر ایک ہزار برس سے پوری امت فرقہ بندی اور باہمی اختلاف عقائد و عبادات پر اجماع کئے ہوئے ہے یہانتک کہ اختلاف امتی رحمۃ کی ایک جھوٹی حدیث گھڑ کر سند میں پیش کر دی کہ اگلی امتوں کیلئے فرقہ بندی و باہمی اختلاف باعث عذاب عظیم تھی۔ مگر امت محمدیہ کے لئے رحمۃ ہے۔ حالانکہ امت محمدیہ ہی کو مخاطب کر کے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ولا تکونوا من المشرکین ۝ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا۔ مسلمانوں ہی سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا۔ اس لئے قرآن مجید کی صریح آیتوں کے خلاف ہزار سالہ اجماع کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے

دس ہزار بھی ہزار سالہ اجماع دکھائے جائیں جو قرآنی آیات صریحہ کے خلاف ہوں تو وہ سارے کے سارے ہزار سالہ اجماع سرپائے حقارت سے ٹھکرا دیئے جائینگے۔ اور ایسے مواقع میں صرف قرآن مجید کا اتباع کیا جائیگا۔ اور جو سنت ثابتہ قرآن مجید کے مطابق ہو اسی کی پیروی کی جائیگی۔

باقی رہیں حدیثیں تو سنی شیعہ دونوں کی مستند حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوا علی کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث بھی میری طرف نسبت کرکے تمہارے سامنے روایت کی جائے اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ اسکو رد کردو۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہوگا دینی باتوں سے متعلق یا جو کام بھی دین کا کیا ہوگا۔ زن و شو کے درمیان جھگڑوں میں یا اور کسی معاملے میں جو فیصلہ بھی کیا ہوگا۔ وہ قرآن مجید کے مطابق ہی کیا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن مجید نے جس کو حلال قرار دیا ہو آپ نے اسکو حرام بتایا ہو یا جسکو قرآن مجید نے حرام کیا ہو اسکو آپ نے حلال قرار دیا ہو۔ آپ کو حکم تھا فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ ان لوگوں کو نصیحت کرو، اس قرآن کے ذریعے ان کو جو میری دھمکیوں کا خوف رکھتے ہیں۔ (آخر سورہ قاف) اللہ تعالٰے نے جن احکام کو قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے ان کو حدود اللہ قرار دیا ہے۔ اور ان حدود کے توڑنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہی ان حدود کو نعوذ باللہ توڑ دینگے۔ جن پر یہ قرآن اترا ہے؟ اور جو اسی قرآن کریم کی تعلیم و تبلیغ و تبیین کے لئے مبعوث ہوئے تھے؟ مالکم؟ کیف تحکمون؟

میں منکر حدیث نہیں میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین میں حجت سمجھتا ہوں۔ اتباع سنت نبوی کو بلکہ اتباع سنت مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم تک کو فرض عین سمجھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر اتباع رسول کے کوئی اتباع قرآن مجید نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی شخص بغیر اطاعت رسول کیے اللہ تعالٰے کی اطاعت کرسکتا ہے۔ من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ۔

مگر ہر حدیث سنت نہیں

میں قرآن مجید کی کسی آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتا۔ مگر بہت سی حدیثیں ضرور منسوخ ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۱ سے ۲۳۳ تک کے نزول سے پہلے جاہلیت کے قدیم رواج کے مطابق صحابہ میں بھی تین طلاقوں کا رواج ہوگا۔ بخوبی ممکن ہے کہ اس زمانے کے بعض واقعات حدیثوں میں مروی ہوں جبھی تو قرآن مجید میں الطلاق مرتٰن فرما کر تین طلاق کے رواج کو منسوخ کر دیا گیا۔ تو جب قرآن مجید میں دو طلاقوں کی تعیین کر کے حد بندی کر دی گئی تو یقیناً اس آیت کے نزول کے بعد پھر کسی نے تین طلاق کبھی نہ دی ہوگی۔ اور اگر بھول کر کسی نے تین طلاق دیدی ہوگی اور اس کی خبر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوگی۔ تو آپ نے اس پر ضرور اس تین طلاق دینے والے کو تنبیہ فرمائی ہوگی۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم ؟ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ درحالیکہ میں تم لوگوں کے سامنے موجود ہوں ؟ یہ کہنا کہ اس شخص نے تین طلاق بیکوقت دیدی تھی اس لئے آپ نے ایسا فرمایا صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ الطلاق مرتٰن فرما کر حد بندی کر دی گئی۔ اس لئے یقیناً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبے سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے کے برابر قرار دیا۔ محدثین خود مانتے ہیں کہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں برابر اور عہد فاروقی میں بھی دو سال تک تین طلاقیں رجعی قرار دی جاتی تھی۔ یعنی تیسری طلاق لغو مہمل قرار دی جاتی تھی۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو سال کے بعد جب دیکھا کہ لوگ تین طلاق دینے کی عادت نہیں چھوڑتے ہیں۔ تو ان لوگوں نے چونکہ اسلامی طلاق نہیں دی جاہلیت والی طلاق دی اسلئے جاہلیت ہی کا حکم بطور سزا کے ان پر عائد کیا۔ تاکہ دوسرے لوگ تین طلاق دینے کی عادت چھوڑیں۔ یہ ایک اجتہاد تھا فاروق اعظم کا۔ یہ ایک سیاست تھی۔ جس طرح خرابی آب وہوا کے زمانے میں حفظان صحت کے محکمے کے فتوی کے مطابق حکومت کی طرف سے بعض چیزوں کے کھانے پینے کی ممانعت عام کا اعلان ہو جاتا ہے۔ اسکو مداخلت فی الدین یا حلال کو حرام کرنا نہیں کہا جا سکتا۔

حلالہ | باقی تین طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کا نکاح نہ کر سکنا۔ یہ محض افتراء ہے

اور اسکے متعلق جتنی حدیثیں ہیں وہ سب قرآن مجید کی صریح آیتوں کے خلاف ہیں۔ حلالہ کی ضرورت قرآنی آیتوں کی تصریحات کے ماتحت صرف مختلعہ بالمال کے لئے ہے۔ یعنی جو عورت خود شوہر سے طلاق لے اور وہ یوں طلاق نہ دے تو کچھ مال اس کو دے کر باصرار اس سے طلاق حاصل کرے تو اسکے لئے یہ حکم ہے فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ مختلعہ خلع کرانے والی اپنے شوہر کو مال دیکر اس سے طلاق لینے کے بعد اس کے لئے حلال نہ رہیگی جبتک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے جب وہ طلاق دیدے تو پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ جسکی مفصل بحث آگے آتی ہے۔ غرض جتنی حدیثیں بھی تین طلاق کے مشروع ہونے کے متعلق ان کے بعد حلالہ کہ بغیر پہلے شوہر سے نہ مل سکنے کی ہیں وہ سب کی سب بلا استثنا منافقین عجم کی من گھڑت اور کوفہ بصرہ وغیرہ کی ٹکسالوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان حدیثوں کی کثرت کو دیکھکر متواتر کہکے قرآن مجید کے ساتھ ان کا معارضہ کرنا قریب بکفر ہے۔

متواتر حدیثیں | یہ کہنا کہ جس حدیث کو مختلف طرق سے اور مختلف واقعات کے ضمن میں اتنے لوگ بیان کریں کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرلینا غیر متوقع سمجھا جائے ایسا تواتر ہے جو یقین کے لئے کافی ہے۔ مگر یہ کہنے کی باتیں ہیں۔ منافقین عجم کا یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بارہا کردہ ند و شد جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور میں نے اپنی کتاب اعجاز القرآن کی پہلی جلد میں اسکی بحث لکھی بھی ہے۔

اور خود سلف کا عمل بھی ان کے اس بیان کردہ اصول کے خلاف ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کی اتنی حدیثیں ہیں کہ امام بخاری نے ایک رسالہ رفع یدین ہی مرتب کرڈالا باوجود اتنے بڑے تواتر کے امام ابو حنیفہ اور سارے حنفی فقہاء اس تواتر عظیم کے باوجود اسکو خلاف سنت سمجھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر واقعہ جمع قرآن بعہد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی غلط روایت جس کو صرف ایک زہری صرف عبید بن سباق سے اور وہ صرف حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ حضرت زید بن ثابت کی وفات کے وقت عبید بن سباق دودھ پیتا بچہ سے زیادہ عمر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس آحاد در آحاد روایت کو جسکو ایک شخص روایت کررہا ہے ایسے صحابی سے جن سے اس کا ایک لفظ بھی سننا غیر ممکن ہو صرف اس لئے کہ بخاری و ترمذی

ونسائی وغیرہ میں ہے سارے مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے۔

قرآن مجید ایک جبل عظیم ہے

غرض قرآن مجید ایک پہاڑ ہے اس سے جو بھی ٹکرائیگا خود پاش پاش ہو جائیگا۔ چاہے وہ ہزار سالہ اجماع امت ہو، چاہے ساری حدیث کی کتابوں کی دس بیس نہیں ہزار دو ہزار بھی حدیثیں کیوں نہ ہوں۔

یقینی و قطعی کو ظنیات کا تابع نہ بنایئے

قرآن مجید کی کسوٹی پر حدیثوں کو پرکھئے۔ حدیثوں کے مطابق کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح قرآنی آیات کو نہ بنایئے۔ حدیثیں قرآن کی شرح ہو سکتی ہیں۔ قرآنی آیات کے مفہوم کو بدل نہیں سکتیں۔ وہی کھینچ تان جو آیات میں کرتے ہیں۔ ان روایات میں کیجیے اور ان روایات کو قرآن کے مطابق بنایئے۔ اگر ان روایات کے ساتھ ایسا ہی عشق ہے۔

ارکان حکومت سے گذارش

بزرگان قوم و ملک!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں آپ حضرات کو مسلمان جانتا اور سمجھتا ہوں اسی لئے یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ قیامت پر بھی ضرور ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کی باز پرس سے بھی ضرور ڈرتے ہیں۔ اور آپ لوگوں میں سے بھی جس قدر اقتدار و اختیار جسکو ملک پر حاصل ہے اسی قدر وہ اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھتا ہوگا۔ مگر بزرگان قوم! آپ اپنی ذمہ داریوں کے متعلق صرف اہل ملک کی ناراضی اور بیرون ملک کی بدنامی ہی سے نہ ڈریے۔ سب سے زیادہ آپ کو اللہ تعالے سے ڈرنا چاہیے آپ حاکم ہیں وہ احکم الحاکمین ہے۔ ملک پاکستان صرف اسی لئے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں خالص اسلامی حکومت قائم کی جائیگی۔ اور خالص اسلامی قوانین نافذ کیئے جائینگے۔ اگر خدانخواستہ آپ لوگوں میں کسی کے بھی قول یا فعل سے قیام پاکستان کے اس واحد مقصد کو کسی طرح کا بھی نقصان پہونچا تو اس شخص کو اللہ تعالے سے بہت ڈرنا چاہئے۔ اللہ تعالے اپنے سرکش بندوں کو ڈھیل بھی بہت دیتا ہے۔ اور توبہ کرنے کی کافی مہلت دیتا ہے۔ مگر جب گرفت کرتا ہے تو اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ آپ لوگوں کے ایمان میں قوت عطا فرمائے

اور ایمانی ہمت کے ساتھ ساتھ اسکی توفیق دے کہ آپ کا جو قدم بھی ملکی نظم ونسق کے متعلق اٹھے بلکہ جس کام کیلئے بھی اٹھے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے قرآن وسنت کے مطابق اٹھے۔ اور آپ لوگوں میں سے کسی سے بھی قیام پاکستان کے مقصد عظیم کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے اور آپلوگ اسلام کے سچے خادم ثابت ہوں، آمین ثم آمین۔

اس وقت گذارش یہ ہے کہ عائلی قوانین کے متعلق علمائے کرام کو اپلوگوں سے شکوہ ہے اور قرآن مجید کو علمائے کرام سے اس سے زیادہ شکایت ہے جتنا ان کو آپ سے ہے قرآن مجید کی طرف سے میں ترجمانی کا فرض انجام دے رہا ہوں۔ اگرچہ میں تنہا ہوں۔ مگر میں احکم الحاکمین کا اس وقت نمائندہ ہوں۔ اس لئے نہ میں ہزار سالہ اجماع امت سے مرعوب ہوں نہ ساری دنیا کے موجودہ علماء سے ڈرتا ہوں صرف قرآن مجید کی قوت کے سہارے ساری دنیا کے علماء کو میرا چیلنج ہے۔ چار برس پہلے بھی میں نے علمائے کرام کو للکارا تھا۔ مگر وہ سمجھے کہ ہملوگوں کے عالمگیر نقارخانے میں اس بے مال و پر طوطی کی نغمہ سرائی کون سنے گا۔ یہ تنہا شخص کبتک بکا کریگا۔ تھک کر چپ ہی ہو جائیگا چنانچہ پورے پاکستان میں کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

ساڑھے تین برس انتظار دیکھکر اب دوبارہ اس سے سخت چیلنج ان کو دے رہا ہوں امید قوی ہے کہ اس چیلنج کو پڑھکر ہمارے علمائے کرام خموش نہیں رہینگے کچھ نہ کچھ ضرور بولینگے۔

اس لئے ارکان حکومت سے میری درخواست ہے کہ ازراہ کرم عائلی قوانین کے متعلق جلدی سے کام لیا جائے۔ اور میرے اس رسالے کو پہلے ارکان حکومت خود سمجھ لیں۔ اس کے مضامین پر حاوی ہو لیں۔ اس کے بعد یہ دیکھیں کہ علمائے کرام اس رسالے کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ قرآن مجید مدعی ہے اور علمائے کرام مدعی علیہم ہیں۔ اور میں قرآن مجید کا ایک ادنےٰ خادم بحیثیت وکیل اسوقت ہوں۔ میں نے قرآن مجید اور علمائے کرام کے درمیان جو نزاع درپیش ہے اسکو خود علمائے کرام ہی پر حصر کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی قرآن مجید پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح میں رکھتا ہوں۔ نعوذ باللہ وہ قرآن کے منکر نہیں ہیں اور نہ وہ ایمان و دیانت میں مجھسے کسی طرح کم ہیں۔ فرق مجھ میں اور ان میں صرف یہ ہے کہ وہ اسلاف کی تقلید اور کورانہ تقلید کر رہے ہیں۔ اور میں تقلید کو قریب بہ شرک سمجھتا ہوں۔ میں قرآن کو قرآن سے سمجھتا ہوں۔ وہ قرآن کو اگلے

مفسرین کی تفسیروں اور روایات سے سمجھتے ہیں۔ میں نے اسلاف کی اجتہادی خطائیں دلائل وبراہین کے ساتھ ان کے سامنے رکھدی ہیں۔ یقین ہے وہ لوگ ان پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائینگے اگر میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں تو مجھکو متنبہ کرکے ممنون فرمائینگے۔ ورنہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے آگے سر تسلیم خم کر دینگے۔ اس لیے ارکان حکومت عائلی قوانین کے متعلق جلدی نہ کریں اس رسالے سے علمائے کرام کیا اثر لیتے ہیں۔ اور یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اس کا ذرا انتظار کرلیں۔ والسلام مع الاکرام "

خادم القرآن المجید تمنا العمادی کان اللہ لہٗ

مقدمہ

نکاح درحقیقت ایک معاہدے کا نام ہے جو دو اجنبی مرد و زن کے درمیان ہوتا ہے۔ عورت کی طرف سے اس کا ولی یا وکیل مالِ نکاح عہد لیتا ہے اور مرد قبول کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ واخذن منکم میثاقاً غلیظاً ہ اور تمہاری بیویوں نے تم سے (نکاح کا) مضبوط معاہدہ لیا ہے (نساء رکوع ۳) اور اسی جگہ کچھ پہلے ارشاد ہے وعاشروھن بالمعروف۔ اپنی بیویوں کے ساتھ منصفانہ دستور کے مطابق گذر بسر کرو۔ مگر زمانہ جاہلیت میں اہل عرب عورتوں کی کچھ اہمیت سمجھتے ہی نہ تھے۔ بات بات پر طلاق دیدیا کرتے تھے۔ اور تین طلاقوں سے کم کبھی نہیں دیتے۔ کبھی دس بیس پچاس بلکہ سو اور ہزار طلاق بھی کہدیتے تھے۔ اور طلاق سے مراد لیتے تھے قطع رشتہ نکاح اور طلاق دے کر یا تو گھر سے نکال دیتے تھے۔ یا گھر میں معلقہ قیدی بنا کر رکھتے تھے۔ نہ خود اس سے ازدواجی تعلق رکھتے تھے نہ کسی دوسرے سے اس کو رشتہ قائم کرنے دیتے تھے۔ اگر وہ با اثر قبیلے والی ہوتی تھی تو اس کو اس کے لوگ آکر لے جاتے تھے۔ ورنہ غریب زندہ در گور پڑی رہتی تھی۔

ان کے یہاں طلاق کی کوئی عدت بھی نہ تھی۔ یہ جو بعض روایتوں میں ہے کہ وہ طلاق دیتے تھے اور جب عدت پوری ہونے پر آتی تھی تو رجوع کرلیتے تھے اور پھر طلاق دیدیتے تھے

پھر جب عدت پوری ہونے پر آتی تو پھر رجوع کر لیتے تھے۔ اس طرح اس غریب عورت کو پریشان کرتے تھے اس قسم کی بعض روایتیں زمانہ جاہلیت کے متعلق بھی بعضوں نے لکھی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے متعلق یہ کھلی ہوئی موضوع روایت ہے۔ ممکن ہے کہ عہد اسلام میں جب مطلقہ عورتوں کو عدت کرنے کا حکم ہوا ہے اس کے بعد ایسا ہوا ہو جیساکہ تفسیر ابن کثیر میں ان رجلا من الانصار کہکر اس قسم کی روایت لکھی ہے مگر زمانہ جاہلیت میں مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہ تھی۔ نہ کوئی بتا سکتا ہے کہ اس وقت اگر عدت تھی تو کس حساب سے تھی۔

طلاق اور عدت

قرآن مجید نے طلاق کے متعلق پہلی اصلاح یہ کی کہ شوہر کو اگر بیوی سے سرکشی و نافرمانی کی شکایتیں پیدا ہو رہی ہوں فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔ تو ان کی اصلاح کے لئے تین منزلیں طے کرو۔ پہلی منزل وعظ و نصیحت کی طے کرو۔ کچھ دنوں ان کو سمجھاؤ۔ وعظ و نصیحت کے ذریعے راہ پر لانے کی کوشش کرو اگر اس منزل میں تم ناکام رہو اور وعظ و نصیحت سے بیوی راہ پر نہ آئے تو واھجروھن فی المضاجع خوابگاہ میں ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ اس جملے میں بڑی بلاغت اور ایک بہترین اخلاقی تعلیم ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ فاخرجوھن عن المضاجع یعنی حجرہ خوابگاہ سے انہیں باہر نکال دینے کا حکم نہیں فرمایا گیا۔ اھجروھن فرمایا گیا ان سے جدائی اختیار کرو فی المضاجع خوابگاہ کے اندر۔ یعنی اسی حجرے میں اپنا بستر ان کے بستر سے الگ کر لو۔ یا اسی مسہری پلنگ یا تخت پر جس پر ساتھ سوتے ہو تم اس کی طرف سے منہ پھیر کر سو جاؤ۔ تاکہ تم دونوں کے درمیان جو رنجش کی صورت پیدا ہو گئی ہے اسکی خبر گھر کے دوسرے لوگوں کو نہ معلوم ہو۔ حجرے کی باتیں حجرے کے اندر ہی رہیں۔ غرض کچھ دنوں یہ کر کے بھی دیکھو۔ اگر اس سے بھی وہ راہ راست پر نہ آئے۔ اور اس علیحدگی کی بھی پرواہ نہ کرے تو اس کی اجازت ہے کہ واضربوھن یعنی تم ان کو کچھ مار بھی سکتے ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ مار سے بھوت بھی بھاگ جاتا ہے۔ حدیث میں اس مار کی نوعیت بھی بتادی گئی ہے کہ غیر مبرح* یعنی ضرب شدید نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم پر اس مار کا کوئی اثر نمایاں [illegible]

---

* غیر مبرح الکثیر یعنی الشدۃ ۱۲

۱۰۹۱۰

اگر مار کھانے سے بھی وہ اصلاح پذیر نہ ہو تو حکم ہے فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ تو اب زن و شو کے اولیاء قریبی رشتہ مندوں اور خیر خواہوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ یعنی جب زن و شو میں بات اس قدر بڑھ گئی کہ ان کے درمیان جو آویزشیں پیدا ہیں اس کی خبر حجرے سے باہر گھر کے دوسرے افراد تک یا گھر سے بھی باہر برادری کے لوگوں اور پڑوسیوں تک پہونچ گئی، تو ان لوگوں کا یہ فرض ہے کہ ان دونوں کے مشورے سے ایک حکم شوہر کے ہوا خواہوں میں سے اور ایک حکم عورت کے خیر خواہوں میں سے مقرر کر کے دونوں کی شکایتوں کو سن کر رفع شکایات کرا کے دونوں میں مصالحت کرا دیں۔ اور اگر دونوں بطور خود بھی اپنا اپنا حکم مقرر کر لیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اصل غرض

سے حاشیہ صفحہ گذشتہ سنن ابی داؤد کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا یُسئلُ الرجلُ فی ما ضرب امرأتہ اس حدیث سے بعضوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ عورت کے اولیاء یا حاکم وقت کو کوئی حق نہیں ہے کہ شوہر سے کسی طرح کی بازپرس کرے کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا یا شوہر سے قصاص لیا جائے۔

بعضوں نے یہ مطلب نکالا کہ قیامت کے دن بھی شوہر سے اسکے متعلق کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ ظالم شوہر جتنا چاہے بیوی کو مارے۔ دنیا تو دنیا ہے آخرت میں بھی اس غریب کی فریاد نہیں سنی جائیگی کہ وہاں بھی اسی ظالم کی حمایت ہوگی۔

حالانکہ اگر یہ مفہوم ہوتا تو فیما نہیں فرمایا جاتا عمّا فرمایا جاتا یہ حدیث بہت صحیح حدیث ہے اس میں ایک بہترین اخلاقی تعلیم ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کے اولیاء یا حاکم وقت کے سامنے خود عورت نالش کرے کہ شوہر نے ہم کو بڑی مار ماری ہے اس کے جسم پر ضرب شدید کا اثر بھی ہو تو اولیاء کو یا حاکم کو مرافعہ کے وقت شوہر سے بازپرس کرنے کا حق ضرور ہے اور شوہر کو سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اس سے قصاص بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر شوہر اگر بتاتا نہیں ہے اور عورت بھی بیان نہیں کرتی ہے تو اس کی تحقیقات نہ کی جائے کہ عورت نے کون سا جرم و گناہ کیا تھا۔ جس جرم کی پاداش میں شوہر نے اس کو مارا۔ جب وہ دونوں اسکو بیان نہیں کر رہے ہیں تو عورت کے اولیاء یا حاکم کو شوہر سے اس جرم کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کا حق نہیں ہے کہ جس جرم کی سزا میں اس نے اسکو مارا ہے ۱۲ تمنا غفرلہ۔

ہے دونوں کی طرف سے حکم مقرر ہو جانے سے ہے چاہے دونوں کے اعزہ و اولیاء مقرر
کردیں چاہے یہ دونوں خود مقرر کرلیں۔ اگر دونوں حکم ان دونوں میں مصالحت نہ
کرا سکیں۔ اور یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک علیحدگی ہی کا خواہاں ہو تو اگر مرد جدائی
چاہتا ہے تو مرد کو طلاق دیدینے کا اختیار حاصل ہی ہے۔ طلاق دیدے مگر حکم کے
مطابق۔ طلاق دینے کا جو وقت بتایا گیا ہے۔ اسی وقت اور اسی طرح طلاق دے۔
احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔ طلاق سے پہلے جو تین منزلیں طے کرنے کی صورت بتائی
گئی ہے وہ ایسی ضروری و لازمی نہیں ہیں کہ بغیر ان تین منزلوں کو طے کیے شوہر طلاق دے
ہی نہیں سکتا یا اگر طلاق دی تو وہ طلاق نافذ نہ ہوگی۔ بغیر ان تین منزلوں کے طے کیے بھی
دیدیگا تو طلاق واقع ہو جائیگی البتہ شوہر گنہگار ہوگا کہ اس نے حسن معاشرت کا جو طریقہ
بتایا گیا ہے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان منزلوں کو طے کیے بغیر بھی طلاق واقع ہو جائیگی اسلئے
کہ ان کو طلاق کے لئے شرط کی حیثیت سے نہیں بتایا گیا ہے۔ بخلاف تقرر وقت طلاق کے
کہ انحصار کردہ حیض کے بعد آغاز طہر ہی میں طلاق دینی چاہیئے اور امساک یا تسریح کے
وقت دو گواہوں کا رکھ لینا ضروری ہے یہ شرائط ہیں اسلئے ان کی پابندی ضروری ہے۔
اگر حالت حیض میں طلاق دیگا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور تسریح بمعنی مصدر مجہول تو عورت
کی عدت گذرنے کے بعد خود بخود ہو جائیگی۔ مگر شوہر پر تسریح بمعنی مصدر معروف فرض
ہے وہ بغیر گواہوں کے ناقص ہوگی۔ شوہر گنہگار ہوگا۔ اور اگر عورت جدائی چاہتی ہے
تو شوہر سے طلاق کی خواستگار ہو۔ اگر شوہر طلاق دینے پر راضی ہو تو دونوں حکم اس
کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ ورنہ با اختیار حاکم کے پاس حکموں کے فیصلے کے ساتھ
عورت مطالبہ طلاق کرے اور حاکم شوہر کو مجبور کرے کہ وہ طلاق دیدے۔ غرض
جو کچھ کیا جائے سمجھ بوجھ کے کیا جائے۔

مگر قرآن مجید نے دستور جاہلیت میں ایک بہت بڑی اصلاح یہ بھی فرمائی
کہ شوہر اگر اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق دے، تو اس طلاق کے معنی فسخ
نکاح اور ازدواجی رشتے کے پورے انقطاع کے نہ ہونگے۔ بلکہ قطع رشتہ نکاح کے
ارادے کا صرف اظہار اس سے سمجھا جائیگا۔ اور شوہر کو کچھ مہلت دی جائیگی
کہ وہ اپنے اس ارادہ فسخ نکاح پر دوبارہ سہ بارہ غور کرے۔ اسی لئے عورت

حکم ہوا کہ وہ شوہر سے طلاق پانے کے بعد تین حیضوں تک اپنے بارے میں انتظار کرے
کہ شائد شوہر اپنے اس ارادے سے باز آجائے۔ اگر آخری حیض سے فارغ ہو کر غسل
کرنے کے وقت بھی شوہر نے امساک کر لیا یعنی بیوی کو اپنی زوجیت میں روک لیا
زوجیت سے باہر نکلنے نہ دیا تو وہ جس طرح سابق نکاح پر اسکی زوجیت میں تھی اسی طرح
رہ جائیگی۔ ورنہ تین حیضوں کی عدت پوری کر کے اس کی زوجیت سے آزاد ہو جائیگی۔ اب
شوہر کا فرض ہے کہ اس کا مہر اگر باقی ہے تو مہر ادا کرے اور جو کچھ پہلے دے چکا ہے سب کے
ساتھ اسکو حسن سلوک سے رخصت کر دے عدت کے اندر نہ شوہر اسکو اسکے گھر سے نکالے نہ
وہ خود نکلے اسلیئے کہ عدت تک جب نکاح باقی ہے تو شوہر کا گھر جس طرح اسکا گھر طلاق سے پہلے تھا
اسی طرح طلاق کے بعد بھی رہیگا البتہ عدت کے اندر شوہر کے امساک نہ کرنے اور عدت
پوری ہونے سے نکاح ٹوٹ جائیگا۔ اسلیئے عدت ختم ہو جانے کے بعد شوہر اس کو
رخصت کر دیگا۔ اب وہ کسی استحقاق کی بنا پر شوہر کے گھر میں نہیں رہ سکتی ہے۔
اور نہ شوہر اسکو روک سکتا ہے۔

دوسری قسم کی طلاقیں

زمانہ جاہلیت میں ظہار بھی ایک سخت قسم کی
طلاق سمجھی جاتی تھی یعنی بیوی کو ماں کہدینا یا
ماں کے کسی جسم سے بیوی کے اس جسم کو تشبیہہ دینا اس نیت سے کہ میں تیرے اس جسم کو
اپنی ماں کے جسم کے برابر سمجھتا ہوں عموماً پیٹھ کا ذکر وہ کرتے تھے اور عربی میں پیٹھ کو
ظھر کہتے ہیں اسلیئے ایسا کہنے کو ظہار کہتے ہیں۔ مگر قرآن مجید سے اس رواج کا
اس طرح پتا نہیں ملتا۔ بلکہ بیوی کو ماں قرار دیدینے کا ذکر ہے۔ دیکھئے آغاز سورۂ
مجادلہ۔ بہر کیف زمانہ جاہلیت میں بیوی کو ماں بہن دادی نانی کہدینے کو سخت قسم کی
طلاق سمجھتے تھے۔ اور وہ اسی نیت سے کہتے بھی تھے۔ مگر قرآن مجید نے اس کو طلاق
نہیں قرار دیا۔ اگرچہ اس نے طلاق ہی کی نیت سے ایسا کہا ہو۔ اس کو ایک خلاف
واقعہ غلط اور بیہودہ بات قرار دیا اور پہلی بار اگر منہ سے نکل گیا ہے تو اس کو معاف
کر دیا۔ ظہار کرنے والے کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر دوبارہ ایسا کہے تو اس پر کفارہ عائد
کیا۔ ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینے مسلسل روزے رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے
کفارہ ادا کر لے اس کے بعد بیوی کے پاس جائے۔

ہمارے فقہار نے روایات موضوعہ کا اتباع کرکے اور مفسرین نے فقہار اور روایت دونوں کا لحاظ کرکے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[1] منشار الٰہی اور یسّروا ولا تعسّروا حکم نبوی دونوں کی مخالفت کرتے ہوئے زن وشو کے معاملات میں عموماً ہر ممکن تشدد سے کام لیا ہے۔ اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں منافقین عجم کی من گھڑت روایات کی بنا پر۔ فقہ کی ساری کتابوں کو دیکھ جائیے ہر مسئلے میں اصل بنیاد روایات ہیں۔ قرآنی آیات محض بد رقے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ اور جہاں جہاں آیات و روایات میں اختلاف بلکہ تضاد بھی ہے وہاں وہاں کھینچ تان کر آیات کو کسی نہ کسی طرح روایات کا تابع کیا گیا ہے۔ جس کی روشن مثال زیر بحث طلاق کی آیتیں ہیں۔ ظہار میں بھی وہی صورت اختیار کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وعدہ عفو کے باوجود پہلی ہی بار میں کفارہ عائد کر دیا ہے۔

تیسری صورت

طلاق کی ایک صورت ایلاء بھی تھی۔ یعنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیں ہمیشہ کے لئے یا مدت دراز کیلئے۔ تو اگر ہمیشہ کے لئے یا سو یا ہزار برس کیلئے قسم کھالیتے تھے تو اس سے طلاق ہی کی نیت دل میں رکھتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کو بھی طلاق نہیں قرار دیا۔ اور اس کا ایک کفارہ بتایا کہ شوہر صرف چار مہینے تک اس بیوی سے الگ رہے۔ چار مہینے کے بعد بیوی کے پاس چلا جائے۔ اگر چار مہینے ختم ہونے کے بعد بھی وہ اس بیوی کے پاس نہیں جاتا ہے۔ اور طلاق ہی کا عزم ظاہر کرتا ہے تو اب یہ عورت مطلقہ کی حیثیت میں آ گئی اور جسوقت اس نے ارادہ طلاق ظاہر کیا ہے۔ اس وقت سے عورت کی عدت طلاق شروع ہو جائیگی۔ اور چونکہ عدت والی طلاق امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے اسلئے شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کر لینے کا حق باقی رہیگا اور اگر اس نے امساک کیا ہی نہیں۔ اور عدت گذر گئی۔ تو اگر دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن امساک کرکے عدت کے اندر اگر اس

---

[1] اللہ تمہارے ساتھ آسانی بہم پہونچانا چاہتا ہے۔ تم کو دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ سورۂ بقرہ ۱۸۵ ص ۳۴ ۲ ۱۲ آسانی پیدا کرو۔ دشواری نہ پیدا کرو۔ یہ حدیث نبوی ہے آپ صحابہ کو اس کا حکم فرماتے تھے۔ جب دوسری جگہ کسی کو بھیجتے تھے کہ وہاں فتویٰ دینے میں سختی نہ برتنا ۱۲

بیوی کے پاس گیا، یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح کر کے اس کے پاس گیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب الادا ہوگا۔ اسلئے کہ ایلاء کا جو کفارہ چار ماہ تک رُکا رہنا بتایا گیا تھا اور چار ماہ کے بعد بیوی کے پاس جانے کا حق دیا گیا تھا اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور اس کفارے کے وقت کو ضائع کر دیا۔ اور اس ایلاء کو طلاق قرار دیدیا۔ تو قسم تو اپنی جگہ پر باقی رہ گئی۔ اب ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ ورنہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اس کی بھی صلاحیت نہ ہو تو تین دن پے درپے روزے رکھے۔ مگر بیوی کے پاس جانے کے بعد اس لئے کہ قسم کا کفارہ قسم توڑ لینے کے بعد عائد ہوتا ہے قبل نہیں۔

لیکن چار مہینے گذار کر اگر فوراً بیوی کے پاس چلا گیا تو اس پر کفارہ قسم واجب الادا ہوگا۔ اور نہ شوہر کو یہ حق ہوتا ہے کہ چار مہینے تک علیحدہ رہنے کے عوض صرف قسم کا کفارہ ادا کر کے چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس چلا جائے جب یہ حق شوہر کو نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ چار ماہ کا انتظار شوہر کیلئے کفارہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہاں اگر چار ماہ سے کم مدت کیلئے قسم کھائی ہے تو اتنے دنوں تک علیحدہ رہے۔ اور چار ماہ سے کم مدت تک کیلئے قسم کھائی تھی اور اس قسم کی مدت کے اندر بیوی کے پاس چلا گیا تو اسکو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

یہاں بھی بعض فقہاء نے تشدد سے کام لیا ہے۔ اور ایلاء کا کفارہ جو چار ماہ تک علیحدہ رہنا بتایا گیا ہے اور چار ماہ کے بعد بیوی کے پاس جانے کی اجازت ہے تو بعضوں نے کہا کہ چار ماہ گذرنے ہی ایک طلاق پڑ جائیگی۔ یعنی اب اگر بیوی کے پاس گیا تو یہ امساک ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فان عزموا الطلاق۔ یعنی چار ماہ کے بعد اگر شوہر نے عزم طلاق ظاہر کر دیا تب طلاق واقع ہوگی یہ کہتے ہیں کہ چار ماہ گذرتے ہی خود بخود طلاق واقع ہو جائیگی۔ بعضوں نے کہا۔ چار ماہ کے بعد وہ بیوی کے پاس فوراً بھی جائیگا تو باوجود چار ماہ تک علیحدہ رہنے کے اسکو قسم کا کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ حالانکہ قسم کا کفارہ ہی عائد کرنا ہوتا تو چار ماہ تک علیحدگی کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن مجید نے تو ایک کفارہ چار ماہ تک علیحدگی کا بتا ہی دیا۔ پھر قسم کا کفارہ اپنی طرف سے ان فقہاء کو عائد کرنے کا کیا حق تھا۔ مگر تشدد پسند فطرت سے مجبور تھے۔

اہل انصاف کے لئے ایک لمحۂ فکر

کوئی بیوی کو ماں کہدے اسی نیت سے کہ وہ اس پر اسکی ماں کی طرح حرام ہے مگر قرآن مجید اس کو طلاق قرار نہیں دیتا۔

کوئی بیوی کے متعلق قسم کھالے کہ اسکے پاس کبھی نہیں جائینگے۔ قرآن مجید اسکو بھی طلاق نہیں قرار دیتا۔ اور نہ یہ پوچھتا ہے کہ اس نے جسوقت قسم کھائی تھی کس نیت سے کھائی تھی: مگر ہمارے علماء نے طلاق بالکنایہ وغیرہ قائم کرکے طلاق کے بیسیوں صیغے نکال کر رکھدیئے اور نئی نئی قسم کی متعدد طلاقیں نکال کر رکھدیں جن کے منہ سے نکالتے ہی ان کی بیوی ان پر حرام ہو جائیگی یعنی وہ طلاق بائنہ ہوگی۔ مگر اس طلاق کی عدت بھی گذارنی ہوگی۔ حالانکہ قرآن مجید کے رو سے طلاق بائنہ کوئی طلاق ہی نہیں۔ اگر طلاق تسریحی کا نام انہوں نے طلاق بائنہ رکھلیا ہے تو وہ صرف غیر ممسوسہ یا مختلعہ ہی کو دی جاتی ہے۔ اور ان دونوں کے لئے عدت نہیں ہے۔ قرآن مجید کے رو سے ہر وہ طلاق جسکے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہو وہ امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے اور ہر عدت والی طلاق کے بعد شوہر کیلئے عدت کے آخری لمحے تک امساک کر لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ سب سے زیادہ کمال تو یہ کیا کہ جو عورت شوہر کو کچھ مال دیکر اس سے طلاق حاصل کرے اور شوہر اس سے مال لیکر اسکو طلاق دے تو قرآن مجید نے اس مطلقہ کے لئے فرمایا ہے۔ فلا تحل لہٗ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہٗ وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہ رہیگی جبتک اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔ مگر محض روایات موضوعہ کی بنیاد پر لوگوں نے اس حکم کو تین طلاق پانے والیوں پر تھوپ دیا ہے۔ اور مختلعہ یعنی شوہر سے طلاق بعوض مال حاصل کرنے والی کو اس سخت حکم سے آزاد کر دیا۔ مجرم تو آزاد ہے اور مجرم کے جرم کی سزا ایک بے قصور بلکہ مظلومہ کو دیدی گئی ہے۔ یعنی تین طلاق دیدینا شوہر کا جرم تھا وہ آزاد ہے۔ جسکو تین طلاق دی گئی وہ بے قصور تھی۔ مگر اس غریب کے سر پہ پہاڑ لاکر ڈال دیا گیا۔ اور جسکے سر پر یہ پہاڑ ڈالا گیا تھا۔ اس کو اس بار گراں سے بالکل سبکدوش رکھا۔ کوئی انصاف ور روایتوں سے قطع نظر کرکے صرف آیات پر کبھی غور نہیں کرتا روایات کی عینک ہر ایک کی آنکھوں پر لگی ہے۔ ہر مجتہد ہر فقیہ پہلے روایات کو دیکھکر ایک رائے قائم کر لیتا ہے پھر اسی کے مطابق آیات سے مفہوم نکالتا ہے۔ جہاں وہ

مفہوم نہیں نکلتا وہاں اپنی طرف سے کچھ الفاظ تفسیر میں بڑھا کر یا کہیں کی ضمیر کہیں پھیر کر کہیں کا عطف کہیں پر کر کے کسی نہ کسی طرح آیت کو روایات کا تابع کیا جاتا رہا اور آج تک کیا جا رہا ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

قرآن مجید اور مسئلہ طلاق

قرآن مجید نے زن و شوہر کے درمیان اگر ناموافقت ہو تو اس ناموافقت کو موافقت میں تبدیل کرنے کیلئے طلاق سے پہلے چار منزلیں قرار دیں ۔ ۱ پہلے شوہر وعظ و نصیحت سے بیوی کو راہ پر لانے کی کوشش کرے ۔ ۲ وعظ و نصیحت سے کام نہ نکلے تو خوابگاہ میں علیحدگی اختیار کرے ۔ ۳ اس سے بھی کام نہ نکلے تو بغرض تنبیہ کسی قدر گوشمالی اور ہلکی مار پیٹ سے راہ پر لائے ۔ ۴ یہ صورت بھی کارگر نہ ہو تو جانبین کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہوں ، وہ جانبین کی شکایتیں سن کر رفع شکایات کی اور مصالحت ممکن نہ ہو تو اگر شوہر مفارقت کا طالب ہو یا دونوں ایک دوسرے سے مفارقت ہی پر مصر ہوں تو حکموں کی قرارداد کے مطابق شوہر طلاق دیدے مگر یہ طلاق رجعی ہوگی اگر طلاق پر اصرار زیادہ تر شوہر ہی کو ہے ۔ اور اگر عورت کو زیادہ اصرار ہو یا عورت ہی مفارقت کی طالب ہو تو طلاق تسریحی یعنی بائن ہوگی ۔ اور اسی وقت بغیر عدت گزارے وہ عورت شوہر کے گھر سے رخصت ہو جائیگی ۔ شوہر حکموں کے فیصلے اور منصفانہ دستور کے مطابق اسکو رخصت کر دیگا ۔ اور عورت پر عدت گزارنی واجب نہ ہوگی ۔ اگر اس نے شوہر کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق لی ہے ۔ اور شوہر نے مال لے کر طلاق دی ہے تو وہ شوہر پر بالکل حرام ہو جائیگی ۔ جبتک کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور وہ طلاق نہ دیدے پہلے شوہر سے یہ دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتی ۔ جیسے اس نے باصرار تمام مال دیکر طلاق خریدی تھی ، تو اب اس کو اس کی سزا بھی بھگتنی چاہیئے ۔

از روئے قرآن مجید طلاق کی قسمیں

قرآن مبین نے طلاق کی دو قسمیں کی ہیں ۔ طلاق تسریحی ۔ اور طلاق امساکی ۔ طلاق تسریحی وہ طلاق ہے جس کے ایک بار طلاق دیتے ہی عقد نکاح ٹوٹ جاتا ہے

اور شوہر کو طلاق کے بعد امساک کا حق نہیں رہتا۔ البتہ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اور طلاق امساکی سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ طلاق کے بعد عورت کو تین حیض (یا تین ماہ) تک انتظار کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس عدت میں عورت شوہر کو راضی کرنے کی کوشش اور ارادۂ قطع رشتہ نکاح سے اسکو باز رہنے پر آمادہ کرسکے اور خود شوہر بھی اپنے اس ارادے پر نظر ثانی بار بار کرسکے۔ جانبین کے لوگ مخلصانہ درمیان میں پڑکر ان دونوں کے درمیان مصالحت کرا سکیں۔ اور واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف (جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت طلاق کے آخری لمحے تک پہونچ جائیں تو (اس وقت بھی) ان کو اپنی زوجیت کے احاطے سے نکلنے نہ دو) ان کو منصفانہ دستور کے مطابق روک لو۔ یا (اس آخری لمحے کو بھی گذار کر) ان کو (اپنی زوجیت کی بندش سے) آزاد کرکے منصفانہ دستور کے مطابق رخصت کردو۔ اس آیت کے مطابق وہ اپنی عورتوں کو عدت طلاق کے آخری لمحے تک بھی اگر چاہیں تو اپنی زوجیت سے باہر نکلنے نہ دیں، روک لیں۔

قرآن مجید کے رو سے ایسی کوئی طلاق نہیں ثابت ہوتی کہ شوہر اپنی ممسوسہ بیوی کو بغیر اس کے مطالبہ، طلاق کے طلاق دے اور طلاق دیتے ہی بیوی اس پر حرام ہوجائے اور کوئی ایسی طلاق قرآن مجید نے نہیں بتائی ہے کہ عورت طلاق کے بعد عدت گذارے اگر شوہر کو اس عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کا حق باقی نہ ہو۔ بائنہ و مغلظہ وغیرہ جتنی طلاقیں فقہاء نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے کوئی طلاق بھی قرآن سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ سب کی سب قرآنی آیات کے صراحۃً خلاف ہیں۔ مخالف قرآن روایات کی بنیاد پر نکالی گئی ہیں۔

طلاق پانے والیوں کی قسمیں

قرآن مجید نے مطلقات پانچ طرح کی بتائی ہیں ۱۔ غیر ممسوسہ جس سے صرف زبانی ایجاب و قبول کے ذریعے نکاح ہوا ہو۔ شوہر نے اس کو ابھی ہاتھ نہ لگایا ہو۔ ۲۔ عامۃ الوقوع طلاق یعنی شوہر بیوی سے ناراض ہوکر اپنی مرضی سے بیوی کو

طلاق دے۔ عام طور سے زیادہ تر یہی طلاق واقع ہوا کرتی ہے۔ ۳ شوہر طلاق بھی
دے اور طلاق سے پہلے جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے وہ سب یا اس میں سے کچھ کم و بیش واپس
بھی لے لے۔ ۴ شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا عورت ہی اس شوہر کے ساتھ رہنا پسند
نہیں کرتی۔ اسلئے عورت ہی شوہر سے طلاق کی خواہاں ہو۔ اور عورت کے اصرار سے مجبور
ہو کر شوہر طلاق دیدے۔ اسکو استطلاق کہنا چاہیئے۔ مگر روایات میں اس کا نام
خلع مذکور ہے۔ اس لئے فقہاء بھی روایات پرستی کے ماتحت اس کو استطلاق نہیں
خلع ہی کہتے ہیں بعض فقہاء نے تو یہاں تک لکھدیا کہ جبتک خلع کا لفظ استعمال نہ ہوگا
اس وقت تک خلع قرار نہیں پائیگا۔ یعنی اگر عورت نے طلاق کا مطالبہ باصرار کیا۔ شوہر
طلاق نہیں دیتا تھا۔ آخر معاملہ حکموں یا حاکموں تک پہونچا۔ ان لوگوں نے بھی عورت کے
مطالبہ کی سختی سے مجبور ہو کر شوہر کو مجبور کیا کہ وہ اسکو طلاق دیدے، اور شوہر نے
طلاق دیدی، تو ان کے نزدیک یہ طلاق ہی ہوگی۔ اور طلاق ہی کے احکام اس صورت
میں نافذ ہونگے۔ خلع کے نہیں۔ کیونکہ نہ عورت نے خلع کا مطالبہ کیا نہ شوہر نے خلع
کا لفظ استعمال کیا۔ حالانکہ خلع کوئی قرآنی اصطلاح ہی نہیں ہے۔ یہ غایت روایت
پرستی ہے۔ اس سے اس کا پتا واضح طور سے ملتا ہے۔ کہ فقہاء نے اکثر مسائل میں اپنے
اجتہاد و استنباط کی بنیاد صرف روایات پر رکھی ہے۔ اور آیات کو محض مؤید کے
طور سے استعمال کیا ہے۔ وہ بھی ان کو روایات کا تابع بنا کر۔ ۵ عورت طلاق کا
مطالبہ کرے اور شوہر اپنے پہلے دیئے ہوئے اموال میں سے سب یا بعض کا مطالبہ
کرے۔ کہ تم طلاق مانگتی ہو تو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے وہ سب یا ان میں سے فلاں
فلاں چیزیں واپس کر دو۔ شوہر کے اس مطالبہ پر۔ یا بغیر مطالبہ کے بطور خود عورت اسکی ساری
دی ہوئی چیزیں یا جسقدر وہ مانگے واپس دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لینا چاہے۔ یا شوہر
نے کچھ بھی نہ دیا ہو یا محض معمولی چیزیں دی ہوں۔ اور عورت اپنے پاس سے بطور خود
شوہر کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق حاصل کرے۔ اور شوہر عورت کا پیش کردہ
مال لے کر اس کو طلاق دیدے۔ اسکو استطلاق بالمال یا خلع بالمال کہینگے۔

بس یہی پانچ قسم کی مطلقات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان پانچ کے سوا
اور کسی قسم کی مطلقہ کا ذکر قرآن نہیں کرتا۔ البتہ غیر ممسوسہ کی دو قسموں کا ذکر قرآن

مجید میں ہے۔ ۱؎ ایک تو ایسی غیر ممسوسہ جس کا مہر معین ہو چکا ہو تو اس کو طلاق کے وقت نصف مہر دلوایا ہے۔ اور ۲؎ دوسری وہ غیر ممسوسہ جس سے صرف ایجاب و قبول تو ہوا ہے مگر مہر معین نہ ہو سکا اسکو صلاح و مشورہ پر اٹھا رکھا گیا۔ یا مہر مثل دریافت کرنے پر یا کسی اور وجہ سے تو ایسی غیر ممسوسہ کو کچھ مناسب اثاثہ دینے کا حکم ہوا ہے۔ ان دونوں قسموں میں طلاق کے متعلق چونکہ ایک ہی حکم ہے اسلئے مطلقات کی قسمیں بیان کرنے میں دونوں طرح کی غیر ممسوسہ کو میں نے ایک ہی قسم میں شمار کیا۔ اور مطلقات کی چھ قسمیں نہیں لکھیں۔

ان پانچ قسموں میں سے صرف غیر ممسوسہ کے متعلق صراحۃً مذکور ہے کہ ؏

فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ یعنی ان (غیر ممسوسہ مطلقات) پر تمہارے مفاد کے لئے کوئی ایسی عدت نہیں ہے جسکو تم (طلاق کی) عدت کی حیثیت سے ان سے پوری کراؤ۔ اسی لئے ان کے لئے ارشاد ہے کہ ان کو طلاق دو فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلاً ٥ کچھ مال ان کو دیکر خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ غیر ممسوسہ کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے فوراً ان کی تسریح یعنی آزاد کرکے رخصت کر دینا شوہر پر واجب ہے۔ اور تسریح کے بعد عدت نہیں ہے۔ عدت اگرچہ مطلقہ پر واجب ہے۔ مگر اس سے تعلق ہے شوہر کے مفاد کا۔ اسی لئے مالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا ؏ فرمایا گیا۔ لکم یعنی تمہارے نفع تمہارے فائدے کیلئے۔ تعتدون کے فاعل بھی شوہر ہیں۔ ھا کی ضمیر عدۃ کی طرف پھر رہی ہے۔ اعتداد کے معنی ہیں عدت پوری کرانا۔ عدت قرار دینا۔ بعض لوگ جو اعتداد کے معنی گننے کے یہاں لیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

اعتداد کا لفظ جس طرح عدد سے نکلتا ہے، اسی طرح عِدَّۃ سے بھی نکلتا ہے۔ یہاں ذکر عدّۃ کا ہے۔ چونکہ شوہر کے گھر میں رہ کر مطلقہ عدت گذارتی ہے۔

؏ شوہر کا فائدہ عدت کے اندر رجعت امساک ہے۔ کہ وہ تین حیضوں کی عدت کے اندر اپنے ارادۂ قطع رشتۂ نکاح پر بار بار غور کرے۔ اور اس درمیان میں بلکہ عدت کے آخری لمحے تک بھی چاہئے تو امساک کرے حمل کا پتا لگانا عدت کی ایک ضمنی غرض ہے۔ ۱۲

شوہروں کو حکم ہے لا تخرجوھن من بیوتھن ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یعنی طلاق کے بعد بھی شوہر کا گھر ان کا گھر اسی طرح ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھا۔ عدت کے آخری لمحے تک ہر عدت گذار مطلقہ کا نکاح باقی رہتا ہے۔ اسی لئے شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک اسی سابق نکاح پر امساک کر لینے کا یعنی ارادہ قطع رشتہ نکاح سے رجوع کر کے اپنی مطلقہ کو اپنی زوجیت میں روک لینے کا حق رہتا ہے۔ پھر شوہر اسی بنا پر عدت تک اس مطلقہ کا نان و نفقہ دیتا رہتا ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کے باعث اعتداد یعنی عدت پوری کرانے کا فاعل شوہروں کو قرار دیا گیا ہے۔ فقط گننا وہ بھی صرف تین حیضوں کا کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ اور یہاں ضمیر عدت کی طرف پھر رہی ہے حیضوں کی طرف نہیں۔ عدۃ تو ایک ہے۔ جو تین حیضوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک عدۃ کیا گنی جائیگی۔ یہاں عدۃ سے عدۃ النساء یعنی حیض مراد نہیں ہو سکتا ذکر عدۃ طلاق کا ہے

مختصر یہ کہ غیر ممسوسہ کی فوراً طلاق دیتے ہی تسریح کا چونکہ حکم ہے۔ اس لئے اس کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ گیا۔ تو پھر شوہر کا کوئی مفاد اس سے وابستہ نہ رہا۔ اور جب شوہر کا مفاد اس مطلقہ سے وابستہ نہ رہا تو وہ عدت کیوں کرنے لگی۔ اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو شوہر کا گھر ان کا گھر نہ رہا۔ اسلئے عدت کریگی کہاں۔ تین حیضوں تک کی عدت گذارنے کی جو جگہ بتائی گئی تھی وہ بھی ان کے لئے نہ رہی۔ اور جب شوہر کے مفاد کا ان سے تعلق نہ رہا تو شوہر تین حیض تک ان کو نان و نفقہ کیوں دینے لگا۔ ان تمام باتوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ عدت اسی مطلقہ پر واجب ہے جس کا نکاح طلاق دیتے ہی نہیں ٹوٹتا۔ جو عدت تک شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے۔ حمل کا پتا لگانا اگر عدت کی غرض ہوتی تو آئسہ او رنابالغہ پر تین ماہ کی عدت فرض نہ ہوتی۔

تعدد طلاق

اسی طرح ایک طلاق کے بعد جو دوسری طلاق دینے کی بھی اجازت ہے وہ ایسی ہی طلاق کے لئے ہے جس سے فوراً نکاح نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے کہ دوسری طلاق صرف پہلی طلاق کی تاکید و توثیق کے لئے مطلقہ کو متنبہ کرنے کے لئے دینے کی اجازت ہے۔ اس سے زیادہ دوسری طلاق کا کوئی اثر نہیں۔ پہلی طلاق دے کر شوہر نے بیوی کو اپنے ارادہ فسخ نکاح سے مطلع کر دیا اگر بیوی نے اسکی پروا نہ کی اور اپنی سرکشی و نافرمانی پر اسی طرح قائم رہی تو اسکو

متنبہ کرنے کے لئے دوسری طلاق شوہر عدت طلاق کے پہلے حیض کے بعد دے گا۔ اگر تیسری طلاق کی بھی اجازت ہوتی تو وہ تاکید و توثیق مزید ہوتی مگر تیسری طلاق تو ممنوع ہو گئی جس کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ گیا۔ پہلی ہی طلاق کے بعد وہ منکوحہ تو غیر منکوحہ ہوگئی تو کیا دوسری طلاق وہ غیر منکوحہ کو دیگا؟۔

تعدد طلاق اور عدۃ صرف امساکی ہی طلاق کے لئے ہے

اتنی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ طلاق کا تعدد ہو یا طلاق کی عدت ان دونوں کا تعلق صرف امساکی ہی طلاق کے ساتھ ہے جو طلاق وقوع کے ساتھ فسخ نکاح کردے وہ تسریحی طلاق ہے نہ اس میں تعدد ہو سکتا ہے نہ اس کے بعد مطلقہ پر عدت واجب ہے۔

مستطلقہ یعنی مختلعہ

یہ تو معلوم ہوگیا کہ بغیر مسیس پر صرف ایک ہی طلاق سے تسریحی طلاق پڑ جائیگی۔ نہ اسکے لئے دوسری طلاق کی گنجائش ہے۔ اور نہ وہ عدت کریگی۔

مستطلقہ یعنی مختلعہ اگر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کریگی۔ تو ظاہر ہے کہ وہ امساکی طلاق کا کبھی مطالبہ نہیں کریگی۔ چاہے مال دیکر مطالبہ کیا ہو چاہے بغیر کچھ مال دیئے۔ اس کا مطالبہ جب ہوگا تو مکمل فسخ نکاح کا اس لئے عورت کے مطالبے پر جب طلاق دی جائیگی تو وہ تسریحی ہی ہوگی۔ شوہر کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دل میں امساکی طلاق کی نیت رکھکر عورت کے مطالبے پر اسکو طلاق دے۔ شوہر اگر کہے کہ میں نے دل میں امساکی ہی طلاق کی نیت رکھکر طلاق دی تھی تو اسکے کہنے کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ وہ عورت کے مطالبے کے مطابق تسریحی ہی طلاق سمجھی جائیگی۔ اور شوہر کو عدت پوری کرانے کا یا طلاق کے بعد امساک کر لینے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور چونکہ طلاق کے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا۔ اور اب شوہر کا مفاد اس سے وابستہ نہ رہا اس لیے وہ مستطلقہ مختلعہ عدت بھی نہیں گذاریگی۔ البتہ اگر بغیر کچھ مال لئے شوہر نے عورت کے مطالبے پر طلاق دی ہے تو اگر دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوگئے ہوں تو دونوں میں نئے سرے سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حرمت مال لیکر طلاق دینے کے سبب سے پیدا ہوتی تھی

شوہر اگر بطور خود اپنی مرضی سے طلاق دے رہا ہے تو شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی واپس لے۔ مگر بعض ایسے مال وہ دے چکا ہے۔ جسکو واپس لئے بغیر وہ اسکو طلاق نہیں دے سکتا۔ اور بغیر طلاق دیئے اس کو کوئی چارہ بھی نہیں ہے تو یہ معاملہ حکموں یا حکام کے پاس جائیگا۔ اگر وہ لوگ بھی از روے انصاف یہی مناسب سمجھینگے کہ یہ کچھ مال واپس لے کر طلاق دے تو جسقدر مال وہ لوگ اسکو دلوائیں اتنا ہی اسکو لینا ہوگا اور عورت کو اُتنا مال دیدینا ہوگا۔

اور اگر عورت ہی نے استطلاق یعنی مطالبہ طلاق کیا ہو اور کچھ مال دے کر اس نے شوہر سے طلاق لی ہو اور شوہر نے بیوی سے مال لیکر طلاق دی ہو تو چونکہ استطلاق کے بعد طلاق پاتے ہی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اسلئے نکاح تو فوراً ٹوٹ جائیگا۔ مگر چونکہ عورت نے مال دیکر گویا طلاق خریدی ہے۔ اور شوہر سے غایت بیزاری کا ثبوت دیا ہے اسلئے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ (تو اگر شوہر نے فدیہ دینے والی عورت کو طلاق دیدی تو وہ فدیہ دیکر طلاق لینے والی اسکے لئے فدیہ دیکر طلاق پانے کے بعد حلال نہ رہیگی جبتک اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے وہ نکاح نہ کر لے)۔

جب دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے بطور خود یا اس عورت کے مطالبے پر مجامعت کے بعد یا مجامعت و مساس سے بھی پہلے تو یہ عورت اپنے اس پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائیگی۔

یہ ہیں قرآن کے صریح احکام طلاق کے متعلق وہ ماخوذ الفتاد اور ان کے سوا جو کچھ ہیں وہ فقہاء کے اپنے مخترعات ہیں محض روایات موضوعہ کی بنیاد پر جو زیادہ تر کوفہ و بصرہ وغیرہ کی ٹکسالوں میں گھڑی گئیں۔

اصول مسلّمہ و متفق علیہما

میں دس اصول ایسے پیش کر رہا ہوں جن کے ماتحت تقریباً ہر زبان میں کسی لکھی ہوئی عبارت کا مطلب عام طور سے سمجھا جاتا ہے کسی صاحب علم کو ان میں سے کسی ایک اصل سے بھی یقیناً اختلاف نہ ہوگا۔ اسی لئے میں نے ان کو "اصول مسلّمہ و متفق علیہا"

قرار دیکر پیش کیا ہے۔ اگران اصول کا اتباع کر کے قرآنی آیات کا مفہوم متعین کیا جائے تو بہت سے باہمی اختلافات کا فیصد بآسانی تمام ہو جاسکتا ہے۔ اور باہمی اختلافات کا جھگڑا چکایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ دیانتداری کے ساتھ بازپرس آخرت سے ڈرتے ہوئے انصاف سے کام لیا جائے اور آیات کو روایات کے تابع کرنے اور فرقہ پرستی کے جذبات سے ذہن کو خالی رکھکر غور کیا جائے۔ اور ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے۔

اصول عشرہ

عـا۔ قرآن مجید میں جہاں کوئی لفظ مشترک یعنی مختلف و متعدد معانی والا آگیا ہے بعض جگہ سیاق و سباق خود بتا دیتا ہے کہ یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں یا کہیں خود وہیں پر یا کسی دوسری جگہ قرآن مجید نے خود اس کے مفہوم مراد کو متعین کر دیا ہے۔ جہاں سیاق و سباق سے یا خود قرآنی تصریح سے اس کے معنی متعین ہو رہے ہوں وہاں اس کے خلاف کسی روایت کی بنیاد پر اس لفظ مشترک کے معنی متعین نہیں کیے جاسکتے۔

عـ۲۔ کسی ضمیر کا مرجع، کسی اسم اشارہ کا مشار الیہ، کسی عہد کا معہود، اور کسی معطوف کا معطوف علیہ اگر قریب موجود ہو اور اس قریب سے تعلق پیدا کرنے میں کوئی ادبی یا عقلی خرابی پیدا نہ ہو رہی ہو یا اس قریب سے تعلق پیدا کرنے میں کوئی ایسا مفہوم نہ نکلتا ہو جو قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، تو اس قریب کو چھوڑ کر بعید سے تعلق قائم کرنا کبھی جائز نہ ہوگا۔

عـ۳۔ جو حکم عام ہو خصوصاً صیغہ جمع آیا ہو اور بالخصوص وہ جمع الف لام کے ساتھ آئی ہو یا فعل یا ضمیر جمع آئی ہو تو لفظ عام کے ماتحت جتنے افراد آسکتے ہیں سب پہ وہ حکم بلا استثنار عائد سمجھا جائیگا۔ اس حکم عام سے وہی فرد مستثنیٰ سمجھا جائیگا۔ جس کو قرآن مجید نے خود اسی جگہ یا کسی دوسری جگہ اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ہو یا قرآن ہی سند قطعی کی بنا پر از روئے قیاس کوئی فرد مستثنیٰ ہو سکتا ہو

روایت کی بنا پر کسی حکم عام سے اس کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔

البتہ کوئی لفظ مطلق اگر قرآن مجید میں آیا ہے اور کسی حدیث سے اس کے اطلاق کی تقیید ہو رہی ہو، اور وہ تقیید منشار قرآنی یعنی یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور منشائے نبوی یسروا ولا تعسروا کے مطابق ہے یعنی اس لفظ مطلق میں جو سہولت و اشکال اور نرمی و شدت دونوں پہلو تھے۔ حدیث نے اشکال و شدت کے پہلو کو ترک کر کے سہولت و نرمی کے پہلو میں اس لفظ کو مقید کر دیا ہے۔ جیسے فاضربوھن کے متعلق آپ نے غیر مُبرِّح فرمایا تو ایسی ہی حدیثیں اور ان کی پیدا کردہ تقیید صحیح سمجھی جائیگی۔ مگر جس تقیید میں اشکال و شدت ہی کے پہلو کو اختیار کیا گیا ہو اور قرآنی لفظ مطلق کے اطلاق کی وسعت جس سہولت و نرمی کی اجازت دے رہی ہو اس پہلو کو کوئی حدیث ترک کراتی ہو تو ایسی حدیث یقیناً شدت پسند منافقین کی من گھڑت ہی سمجھی جائیگی۔ اسلیئے کہ ایسی تقیید اللہ تعالےٰ و رسول صلعم دونوں کے منشا کے سہولت پسندی کے خلاف ہے۔ جو رسول خود دوسروں کو یسروا ولا تعسروا فرمائیں وہ خود یُسر کو چھوڑ کر عُسر کیوں اختیار فرمائینگے۔

۴ قرآن مجید ایسی عربی مبین میں اترا ہے جسکو زمانہ نبوی و عہد صحابہ و عہد تابعین میں سارے اہل عرب بخوبی سمجھتے تھے۔ احکام کی آیتیں محکمات سے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی متشابہات سے نہیں ہو سکتی۔ اور نہ احکام کی آیتوں میں کوئی ایسی مخصوص قرآنی اصطلاح ہو سکتی ہے جس کو اہل عرب نہ سمجھ سکتے ہوں البتہ قرآن مجید نے خود اپنی کسی اصطلاح کے مفہوم کو واضح کر دیا ہو تو بے شک وہ قرآنی اصطلاح معتبر ہوگی۔

۵ صیغہ جمع پر الف لام عموماً استغراق یا عہد کا آتا ہے۔ جنس کا بھی آتا ہے۔ مگر اس وقت وہ صیغہ جمع جمعیت سے معرا ہو جاتا ہے، محض ایک اسم جنس کی حیثیت میں آکر قلیل و کثیر سب پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے انما الصدقت للفقراء والمسٰکین۔ میں فقراء و مساکین پر لام جنس ہے ایک فرد واحد کو بھی زکوٰۃ کی رقم دیدینا جائز ہے اگر صرف وہی ایک مستحق ہو۔ مگر لام استغراق جمع پر ہو تو حکم اس کے ہر فرد پر عائد ہوگا۔ اور اگر لام

عہد کا ہو تو معہود کا ہر فرد مراد ہوگا۔ کیونکہ لام عہد بھی استغراق ہی کا مفہوم رکھتا ہے۔ یہاں معہود کا ہر فرد اس حکم میں شامل ہوگا جو حکم اس جمع محلّٰی بلام عہد پر ہوگا۔ مگر معہود کا ذکر عہد سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ لام عہد والی جمع کے بعد معہود کا ذکر ہو۔ یا معہود متعین کیا جائے کسی عبارت مابعد سے۔ اس لئے کہ عہد کی دو ہی قسمیں ہیں۔ عہد خارجی کہ معہود کا ذکر عہد سے پہلے ہو چکا ہو۔ یا معہود سامنے موجود ہو۔ دوسری قسم عہد ذہنی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معہود جس طرح متکلم کے ذہن میں تکلّم کے وقت موجود ہے۔ اسی طرح سامع کے ذہن میں بھی پہلے سے موجود ہو تاکہ سامع فوراً سمجھ لے۔ یا کوئی ایسا قرینہ واضح حالیہ ہو یا مقالیہ تکلم کے قبل سے یا بوقت تکلم موجود ہو جس سے متکلم کے بولتے ہی سامع اس قرینے کے ذریعے معہود کو سمجھ لے۔

ایسا عہد جس کا معہود نہ ظاہر میں موجود ہو نہ پہلے مذکور ہوا ہو، نہ سامع کے ذہن میں پہلے سے موجود ہو، نہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ بوقت تکلم موجود ہو کہ اس کے ذریعے سامع اس کے معہود کو سمجھ سکے، صرف مابعد کے کسی لفظ یا کسی فقرے یا کسی جملے سے سمجھا جائے۔ تو نہ وہ عہد خارجی کہا جاسکتا نہ عہد ذہنی۔ عہد رافضی ہی اسکو کہا جاے تو مناسب ہے کہ اس کا معہود سامنے سے بھاگ کر پیچھے آگیا ہے۔ یا پیچھے کے بعض الفاظ سے سمجھا جارہا ہے۔

۶ جو صیغہ جس مفہوم کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی مفہوم کو اس سے سمجھا جائیگا۔ جبتک ادبی یا عقلی یا قرآنی دلیل سے یہ ثابت نہ کردیا جائے کہ یہاں یہ صیغہ اپنے معنی وضعی میں فلاں وجہ سے نہیں لیا جاسکتا۔

۷ قرأت متواترہ و متوارثہ جو ساری دنیائے اسلام میں کتابۃً قرأۃً حفظاً مروّج ہے اس کے سوا کوئی دوسری قرأت خصوصاً احکام میں معتبر نہ ہوگی۔

۸ اذا ،، ایک حرف شرط ہے مگر ظرفیت زمانی کا مفہوم رکھتے ہوئے یعنی اس کی شرطیت کا تقاضا یہ ہے کہ وقوع شرط کے ساتھ ساتھ وقوع جزا کا وجوب ثابت کرے اور اس کی ظرفیت کا تقاضا یہ ہے کہ وجوب وقوع جزا کا وقت

بتا دے۔

اگر جزار میں صیغۂ امر واقع ہوا ہے، اور فعل شرط پر "اذا" ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ جس وقت فعل شرط کا وقوع ہوگیا۔ اس کے بعد فوراً ہی مامورین پر اس حکم کا امتثال واجب ہوگیا۔ تہیۂ امتثال میں بقدر ضرورت دیر ہو یہ اور بات ہے۔

مفہوم شرطیت و ظرفیت کے ساتھ اذا شرط و جزار میں مفہوم استغراق بھی پیدا کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر حصہ زمان جس میں وقوع شرط ہو اس میں وقوع جزار کو ضروری ثابت کرتا ہے۔ وہی وقت وقوع شرط و وقوع جزار سے مستثنیٰ ہوگا۔ جو کسی قطعی دلیل سے مستثنیٰ ثابت ہو اور اس استثنا سے مخاطبین واقف ہوں اور ان کی واقفیت کسی قطعی دلیل کی بنار پر ہو۔ اسی طرح جزار میں جو حکم بیان کیا گیا ہے۔ وہ مامورین کے ہر فرد پر بلا استثنار وجوباً عائد ہوگا۔ پس وہی فرد اس حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائیگا جو کسی قطعی دلیل کی بنار پر مستثنیٰ ہو۔ اور مخاطبین اس استثنار سے کسی قطعی دلیل کی بنا پر واقف ہوں۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ اذا جس جملہ شرطیہ پر آیا ہو اس کی شرط استغراق زمانی اور اسکی جزار بزمانہ وقوع شرط اپنے وجوب وقوع کے مفہوم سے جو اسکے مسند الیہ کے کل افراد پر علیٰ سبیل الاستغراق حاوی ہوگا۔ کسی وقت بھی اس سے متغیر۔ اگر ان دو توں کو کسی قطعی دلیل کے ماتحت کچھ استثنار رکھتے ہیں تو مستثنیٰ منہ کا استغراق مستثنیٰ کے سوا اپنے باقی افراد پر پوری طرح حاوی رہیگا۔

عه جملہ معترضہ ہر زبان میں اثنائے کلام میں آتا ہو۔ اس کا مابعد اس کے ماقبل متصل ہی سے جوڑا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جملہ معترضہ کا مابعد اسکے ماقبل سے نہ جوڑا جائے بلکہ اس کے ماقبل کے ماقبل بلکہ اس کے بھی ماقبل سے جوڑ دیا جائے دنیا کی کسی زبان کا یہ دستور نہیں ہے کہ جملہ معترضہ کا مابعد اس کے ماقبل کو چھوڑ کر ماقبل کے ماقبل بلکہ اور اوپر کے کسی جملے سے جوڑ دیا جاتا ہو۔

جملہ معترضہ پر کوئی حرف عطف نہیں آسکتا۔ جملہ معترضہ پر واو کبھی آتا ہے مگر وہ عطف کے لئے نہیں آتا ہے۔ نہ اس کا کوئی معطوف علیہ اس سے پہلے

مذکور ہوتا ہے۔ اسکو اسی لئے واو استیناف کہتے ہیں۔ اور واو اعتراض بھی کہتے ہیں۔ اور جملہ معترضہ پر حرف استثنار یا حرف استدراک کبھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ جملہ معترضہ اپنے ماقبل و مابعد جملوں کا تتمہ یا تکملہ نہیں ہوتا اسی لئے اس کا کوئی نحوی تعلق ماقبل و مابعد سے نہیں ہو سکتا۔

۱۰ کسی آیت کی تفسیر میں کوئی لفظ ایسا محذوف نہیں مانا جا سکتا جس کو جملے کی نحوی حیثیت محذوف ماننے پر مجبور کرے۔ اور بغیر اس لفظ کو محذوف مانے جملہ ناتمام ہو۔ اور پھر یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ جو لفظ محذوف مانا جا رہا ہے وہی لفظ یہاں محذوف ہے یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ۔ اس سے مختلف المعنی کوئی دوسرا لفظ یہاں فلاں دلیل سے محذوف نہیں مانا جا سکتا۔ تلك عشرة كاملة۔

ان دس اصول میں سے اگر کسی اصل سے کسی صاحب کو اختلاف ہو تو وہ وجہ اختلاف دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں۔ اور جن اصول سے متفق ہوں انہیں اصول کی بنا پر غور فرمائیں۔ اور انہیں اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نتیجہ غور و فکر سے مجھکو مطلع فرمائیں۔ واتقوا الله الذی الیه تحشرون۔

سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۸ سے ۲۳۱ تک جن پر غور کرنا ہے

والمطلقٰت[۱] یتربصن[۲] بانفسهن ثلٰثة قروء[۳] ط ولا یحل لهن ان یکتمن[۴] ما خلق الله فی ارحامهن ان کن یؤمن بالله والیوم الاخر ط وبعولتهن[۶] احق بردهن[۵] فی ذلك ان ارادوا[۹] اصلاحا ط ولهن[۱۰] مثل الذی[۱۱] علیهن بالمعروف ط وللرجال[۱۲] علیهن درجة ط والله[۱۳] عزیز حکیم ۲۲۸ الطلاق[۱۴] مرتٰن[۱۵] ط فامساك[۱۶] بمعروف او تسریح[۱۷] باحسان ط ولا یحل

لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا
یقیما حدود اللہ ط فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح
علیھما فیما افتدت بہ ط تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ط
ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون ۝ فان طلقھا
فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ط فان طلقھا
فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ ط
وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون ۝ واذا طلقتم
النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن
بمعروف ط ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ط ومن یفعل
ذلک فقد ظلم نفسہ ط ولا تتخذوا ایات اللہ ھزوا
واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب و
الحکمۃ یعظکم بہ ط واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بکل شیء
علیم ۝ (ترجمہ)

اور طلاق والی عورتیں اپنے بارے میں منتظر رہیں تین حیضوں تک۔ اور ان کے
لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی کوکھوں میں جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس کو (شوہروں سے)
چھپائے رکھیں۔ اگر وہ (واقعی) اللہ پر اور (قیامت کے) آخری دن پر ایمان رکھتی ہیں
اور ان کے (دو طلاق دینے والے) شوہر ان کی واپسی کے (دوسروں سے) زیادہ حقدار ہیں
بشرطیکہ (اس واپسی میں) وہ لوگ (باہمی) اصلاح کی توقع رکھتے ہوں۔ اور عورتوں کے
حقوق (مردوں پر) ویسے ہی ہیں جیسے (مردوں کے حقوق) ان پر ہیں منصفانہ دستور
کے مطابق۔ البتہ ان پر مردوں کو (فضیلت کا) ایک درجہ (حاصل) ہے۔ اور اللہ

(سب پر) غالب حکمت والا ہے۔ (آیت ۲۲۸ عـه) وہ طلاق دو مرتبے (تک) ہے پھر منصفانہ دستور کے مطابق روک رکھنا ہے یا حُسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔ اور (اے طلاق دینے والو!) تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ (ارادہ طلاق سے پہلے) تم جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی (واپس) لے لو۔ مگر یہ کہ (کوئی) دو (زن و شو) اس بات سے ڈریں کہ یہ دونوں اللہ کی (قائم کردہ) حدبندیوں کو قائم نہ رکھ سکینگے۔ تو (اے جانبین کے اولیاء یا حکمو! یا حاکمو!) تم لوگ (بھی) اگر یہ خطرہ محسوس کرو کہ (بغیر کچھ لیے دیئے) یہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکینگے تو اس میں (بھی) ان دونوں (زن و شو) پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ عورت (اپنی گلو خلاصی کے لئے کچھ مال) بطور فدیہ کے (شوہر کے سامنے) پیش کر دے

اللہ تعالےٰ کی یہ قائم کردہ حدبندیاں ہیں۔ ان سے باہر نہ نکلو جو لوگ اللہ کی حدبندیوں سے باہر نکل جائیں وہی لوگ ظالم ہیں۔ (آیت ۲۲۹) تو اگر اس شوہر نے اس عورت کو طلاق دیدی، تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس (مال فدیہ کے لین دین) کے بعد حلال نہ رہیگی۔ جبتک وہ اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔ تو اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو اس عورت اور اس کے پہلے شوہر پر کوئی گناہ نہوگا اگر دونوں ایک دوسرے کے پاس (نکاح کے ذریعے) لوٹ جائیں بشرطیکہ دونوں یہ سمجھتے ہوں کہ (اب) اللہ کی حدبندیوں کو دونوں قائم رکھ سکینگے اور یہ اللہ کے حدود ہیں۔ ان کو اللہ اس گروہ کے لئے بیان فرما رہا ہے جو (حدود اللہ کی عظمت و اہمیت کو) جانتے ہیں (آیت ۲۳۰) اور (اے طلاق دینے والو!) جب تم عورتوں کو طلاق دے کر اپنے ارادۂ فسخ نکاح کی خبر (ان کو) دے چکو پھر وہ (عدت طلاق پوری کر کے) عدت کے آخری لمحے تک پہونچ جائیں تو (اب بھی اگر مناسب سمجھو تو) ان کو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت کے احاطے سے نکلنے نہ دو) روک لو۔ یا (عدت کا یہ آخری لمحہ بھی گذار کر تم اپنی زوجیت سے آزاد کر کے) ان کو (اپنے گھر سے) منصفانہ دستور کے مطابق رخصت کر دو۔ مگر (دیکھو) ان کو (محض) نقصان پہونچانے کے لئے نہ روک رکھو! کہ ان کے ساتھ زیادتی کرتے رہو۔ (یاد رکھو!) جو شخص ایسا کریگا وہ اپنی جان پر خود ظلم کریگا۔

عـه یعنی جس طلاق کے بعد مطلقہ پر تین حیض کا تربص فرض ہے ۱۲

اور (دیکھو) اللہ تعالےٰ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ۔ اللہ کے احسانات کو اور جو فرائض اور (حسن معاشرت سے متعلق) حکمت کی باتیں اللہ نے تم پر اتاری ہیں ان کو یاد رکھو ان کے ذریعے اللہ تمہیں نصیحت کر رہا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ (آیت ۱۳۱) (سورہ بقرہ رکوع ۲۹)

حواشی

قولہ تعالیٰ "والمطلقٰت" مقدمہ میں لکھ چکا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں "طلاق" کے معنی فسخ نکاح کے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے طلاق کے معنی مقرر کئے ہیں اظہار ارادہ فسخ نکاح۔ مگر بعض جگہ فسخ نکاح بھی مراد لیا ہے وہاں قرینہ مقالیہ یا حالیہ سے اسکے معنی فسخ نکاح کے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے غیر ممسوسہ کے لئے حکم اس کے بعد ہے تسریح کر دینے کا اور مستطلقہ یعنی مختلعہ فسخ نکاح ہی کی طالب ہوگی اسلئے ان دونوں کے سوا ہر مطلقہ کے لئے طلاق محض اظہار ارادہ فسخ نکاح کے معنی میں سمجھی جائیگی اور یہاں المطلقات میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ اور یہاں صیغہ جمع پر الف لام آیا ہے۔ جو جنس کا نہیں ہو سکتا۔ عہد کا بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اس سے پہلے کسی ایسی خاص طلاق کا ذکر نہیں ہے۔ جو معہود بن سکے اس سے پہلے ایلاء کا بیان ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔ اگر اسی طلاق کو معہود بنا کر یہاں لام عہد قرار دیں تو یہ سمجھا جائیگا کہ ایلاء کرنے والا یعنی بیوی سے کبھی نہ ملنے کی یا ایک مدت دراز تک نہ ملنے کی قسم کھانے والا شوہر اگر چار ماہ بیوی سے الگ رہ کر طلاق ہی کا عزم کرے تو ایسی ہی مطلقات کو تین حیض تک منتظر رہنے کا حکم ہے۔ اور بغیر ایلاء کئے ہوئے یعنی بغیر قسم کھائے ہوئے اگر یوں کوئی بیوی کو طلاق دیدے تو ایسی مطلقہ پر عدت واجب نہیں۔ جو یقیناً غلط ہوگا وان عزموا الطلاق سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے

کہ طلاق کیلئے عزم راسخ ضروری ہے۔ اور یہ جو حدیث کہی جاتی ہے کہ ثلٰثٌ جدّھُن جدٌّ وھزلھن جدٌّ النکاح والطلاق والرجعۃ تین چیزیں ہیں۔ جو ٹھیک طریقے سے کہی جائیں جب بھی ٹھیک ہیں اور ہنسی مذاق سے کہدی جائیں جب بھی ٹھیک اور معتبر ہی سمجھی جائینگی۔ ایک نکاح دوسری طلاق اور تیسری رجعت یعنی امساک یہ حدیث صرف عبدالرحمٰن بن حبیب ہی سے مروی ہے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص اس حدیث کی روایت نہیں کرتا۔ اور امام نسائی نے عبدالرحمٰن بن حبیب کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔ جس کا اعتراف حافظ ابن حجر اور امام ذہبی دونوں کو ہے۔ ایسی آحاد حدیث کیجو ایک منکر الحدیث سے صرف مروی ہو اور پھر قرآن مجید کی اس آیت اور قرآنی منشا کے بھی خلاف ہو، خدا جانے فقہاء نے کس طرح معتبر سمجھ لیا ہے کہ اسکو نصِّ قطعی کی طرح پیش کیا کرتے ہیں اور قرآنی ارشاد کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

باقی رہا موطا میں جو سعید بن المسیب کا قول یحیٰے بن سعید سے مروی ہے وہ نہ کوئی حدیث نبوی ہے نہ کسی صحابی کا قول۔ اگر وہ حبیب بن ابی حبیب کاتب امام مالک جو مشہور وضاع وکذاب تھا جلد بندی بھی کرتا تھا دوسروں کی کتابوں میں اپنی طرف سے ردو بدل اور کمی بیشی کردیا کرتا تھا۔ امام مالک کی کتابوں میں اس نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ اور موطا کا جو نسخہ مصمودی والا ہم لوگوں تک پونہچا ہے اسکو مصمودی صاحب نے پورا امام مالک سے سنا بھی نہ تھا زیاد بن عبداللہ شبطون سے سنا تھا۔ اور زیاد بن عبداللہ شبطون مجہول الحال شخص ہیں۔ غرض اگر یہ روایت حبیب بن ابی حبیب کی طرف سے موطا میں اضافہ نہ ہو جب بھی ایک تابعی کا ذاتی قول ہے۔ قرآنی آیت کے خلاف کسی کا بھی قول قابل قبول نہیں۔

مختصر یہ کہ المطلقت پر یقیناً الف لام استغراق ہی کا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلیئے ہر مطلقہ پر تین حیضوں تک منتظر رہنا ضروری ہے اور اسی تربص اسی انتظار کی مدت کو "عدۃ طلاق" کہتے ہیں۔ اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے جیساکہ غیر ممسوسہ کے متعلق ارشاد ہے کہ مالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ تمہارے نفع کیلئے ان پر کوئی ایسی عدت نہیں ہے جس کو تم عدت کی حیثیت سے ان سے پوری کراؤ اسی طرح مستطلقہ یعنی خلع کرانے والی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جسکی بحث

مقدمہ میں گذر چکی۔ ان دونوں کے سوا ہر مطلقہ پر طلاق کی خبر سنتے ہی تین۳ حیضوں تک منتظر رہنا فرض ہے البتہ جنکے حیض ہی نہیں آتا ہو ان کے لئے تین مہینے کی عدت دوسری جگہ بیان فرمائی گئی ہے۔ اور حاملہ کے لئے عدت کا لفظ نہیں فرمایا گیا ہے۔ اجل کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ یعنی تربص تو وہ بھی کرینگی مگر ان کے تربص کا آخری وقت وضع حمل کا وقت ہے۔ یہاں حاملہ اور غیر حائضہ کا ذکر کیوں نہیں فرمایا گیا اس کے وجوہ آگے بیان ہونگے

۲ے قولہ تعالےٰ " یتربصن " ۔ ربص اور تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ اور انتظار کسی شخص کے آنے کا یا کسی امر کے وقوع کا یا کسی بات کے ظہور کا ہو سکتا ہے مگر تربص کسی شخص کے انتظار کو نہیں کہتے۔ کسی اچھی یا بری ہونے والی بات کے انتظار کو کہتے ہیں۔

یہاں ان مطلقات کو شوہروں سے طلاق کا لفظ سن کر جو یہ معلوم ہوا کہ شوہروں نے فسخ نکاح کا ارادہ کر لیا ہے تو ان کو تین حیضوں تک اس بات کے انتظار کا حکم ہے کہ وہ دیکھیں کہ شوہر اس مدت کے اندر اپنے اس ارادہ فسخ نکاح سے باز آجاتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ فسخ نکاح نہیں چاہتی ہیں تو اس مدت کے اندر شوہروں کو اپنے سے راضی کرنے کی کوشش کریں۔ لوگوں کو درمیان میں ڈالیں کہ کسی طرح شوہروں سے ان کی مصالحت ہو جائے۔ یہاں تک کہ طلاق کے بعد تیسرا حیض آنے لگے۔ غسل کر کے پاک ہونے کے وقت تک شوہر امساک کر لے سکتا ہے اگر اس وقت بھی شوہر نے امساک نہ کیا اور اپنے ارادۂ فسخ نکاح سے اس نے رجوع نہ کی تو معلوم ہو گیا کہ شوہر نے تسریح کر دی اور اپنے ارادۂ فسخ نکاح کو پورا کر دیا اور نکاح فسخ ہو گیا۔ غرض عورت پر طلاق کے بعد تربص یعنی انتظار اسی بات کا فرض ہے کہ شوہر کا اب کیا رویہ رہتا ہے۔ وہ اس کا انتظار کرے۔

۳ے قولہ تعالےٰ " ثلثۃ قروء "۔ قروء کہتے ہیں کسی بات کے ایسے وقت معین کو جو اس کے لئے فطرۃً معین ہو اور وہ وقت اس کے لئے بار بار آتا ہو۔ انسانوں نے اگر کسی کام کا کوئی وقت مقرر کر رکھا ہے تو اس کو اس کام کا قروء نہیں کہینگے جیسے کہتے ہیں اقرأت الریاح یعنی ہوا اپنے وقت پر چلنے لگی۔ آمد حیض کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ اسی طرح اسکی آمد کے موقوف ہونے کا بھی ایک وقت

خاص ہوتا ہے۔ اسلیئے آمد حیض کے آغاز کو بھی اہل عرب قرء کہتے ہیں اور اسکے وقت ختم کو بھی۔ مگر آغاز مراد لیں جب بھی آغاز حیض ہی مراد ہوگا۔ اور موقوفی مراد لیں جب بھی آمد حیض ہی کی موقوفی مراد ہوگی۔ قرء کے معنی طہر کبھی نہیں ہو سکتے۔ دھوکا بعض لوگوں کو اس بات سے ہوا کہ یہاں مراد خاتمہ حیض ہے۔ اور خاتمہ حیض کے معنی آغاز طہر ہی ہونگے۔ اور حکم ہے طلقوھن لعدتھن اور دونوں جمع مؤنث کی ضمیریں پھر رہی ہیں النساء کی طرف۔ اور عدۃ النساء ان کے وہی ایام حیض ہیں جن کو عورتیں گنا کرتی ہیں۔ لام بعدیت کے لئے ہے یعنی بعد عدتھن اے بعد حیضھن اسلیئے طلاق جب حیض کے بعد دی جائیگی تو آغاز طہر ہی میں دی جائیگی۔ اور جب طلاق کے بعد فوراً عدۃ طلاق شروع ہوجائیگی تو پھر عدۃ طلاق طہر ہی سے شروع ہوئی اب جو طلاق کے بعد پہلا حیض آیا اور ختم ہوا تو دوسرا طہر ہوا۔ پھر حیض آیا اور ختم ہوا تو تیسرا طہر ہوا۔ اب جو حیض کا آغاز ہوا تو بس عدت پوری ہوگئی۔ اور اگر تین حیض کو عدت قرار دیتے ہیں تو ایک حیض کے بعد تو طلاق دی گئی اب یہ مدت طہر عدت سے خارج رہی جب طلاق کے بعد پہلا حیض آئیگا تو عدت شروع ہوگی۔ یعنی طلاق کے بعد جتنے دن طہر کے گذرے وہ عدت میں نہ داخل ہونگے نہ خارج۔

مگر یہ اعتراض غلط ہے۔ طلاق کے بعد فوراً ایام طہر ہی سے عدت شروع ہوگی۔ طلاق کے بعد جب پہلا حیض آیا اور ختم ہوا تو پہلا قرء پورا ہوگیا ہر حیض اپنے سابق ایام طہر کے ساتھ ایک قرء ہوگا۔ دونوں اقوال میں فرق اسی قدر ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہر طہر اپنے بعد والے حیض کے ساتھ ایک قرء ہوگا۔ اور ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہر حیض اپنے سابق طہر کے ساتھ ایک قرء ہوگا۔ شوہر نے اگر آمد حیض موقوف ہونے کے دس بارہ دن کے بعد بھی طلاق دی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جتنے دن بھی اس طہر کے رہ گئے ہیں وہی پہلے حیض کے ساتھ ملکر ایک قرء ہونگے۔ اسلئے کہ طہر کے ایام مقصود بالذات نہیں ہیں مقصود عدت میں صرف تین حیض ہیں۔ طہر کے ایام کم ہوں یا بیش حیض کے ضمن میں داخل عدت ہوتے ہیں۔

عہ مختلعہ کی عدت کی روایت ایک حیض اور لونڈیوں کی عدت دو حیض جو کہی جاتی ہے اگرچہ میں ان روایتوں کو صحیح نہیں تسلیم کرتا۔ مختلعہ کے لئے عدت ہی نہیں ہے جیسا کہ ... (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

تین حیض کیوں؟

یہ سوال بہت اہم ہے کہ طلاق کی عدت تین حیض کیوں رکھی گئی۔ یا تین طہر ہی سہی۔ بہرحال حیض حساب میں آئیگا چاہے حیض ہی کو گنیں اور طہر ضمناً گنے جائیں چاہے طہر ہی کو گنیں اور حیض ضمناً گنے جائیں۔ آخر حیض یا طہر کا حساب ہی کیوں رکھا گیا۔؟ جس طرح آیسہ (بوڑھی عورت) اور جسکو حیض نہ آتا ہو نابالغیت کے سبب سے یا کسی بیماری کے باعث یا عقر کی وجہ سے ان سب کے لئے جس طرح تین مہینوں کی عدت ہے اسی طرح عام طور سے ہر مطلقہ کے لئے تین ماہ کی عدت ہوتی۔ مہینے کا حساب طلاق دینے والا اور طلاق پانے والی دونوں بآسانی کر سکتے ہیں۔ اور حیض کا حساب وہ مطلقہ ہی کر سکتی ہے شوہر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شوہر تو طلاق دے کر اپنی مطلقہ سے علیحدہ ہو کرتا ہے۔ طلاق اور علیحدگی کے بعد شوہر کو کیا خبر کہ اس کی مطلقہ کو کب آمد حیض شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔

اس سوال کا جواب

انسان کے جسم میں جتنے اندرونی اعضا ہیں جیسے دل، جگر معدہ آنتیں وغیرہ اور عورتوں کا رحم (کوکھ) اور اعضائے ظاہری ہیں آنکھیں اور اعضائے تناسل اور منہ میں زبان بھی، یہ سب اعضا بذات خود ایک مستقل حیوان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ہر ایک کے اپنے مزاج کے مطابق دوسرے اعضا سے جداگانہ احساسات ہوتے ہیں، اور ان احساسات کے مطابق ہر ایک کی مخصوص خواہشیں اور ان خواہشوں کے مطابق ہر ایک کے مخصوص مطالبے ہوتے ہیں۔ چونکہ میں طب کی کوئی

بقیہ حاشیہ :- مقدمہ میں مذکور ہوا۔ اور المطلقت سے تو لونڈیوں کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے مگر ان روایتوں سے اتنا تو پتا ملتا ہے کہ روایت بنانے والوں نے مختلعہ کے لئے ایک طہر اور لونڈیوں کے لئے دو طہر کیوں نہیں کہا؟ اسی لئے کہ اس وقت عام طور سے عدت میں حیضوں ہی کا حساب متعارف تھا طہروں [illegible] کا نہیں۔ اور جو لوگ ان حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں ان کیلئے تو یہ حدیثیں ہر حیثیت سے حجت ہیں۔ ۱۲

کتاب نہیں لکھ رہا ہوں اور نہ اعضائے اندرون جسم انسانی و حیوانی کے حالات پر کوئی مستقل مضمون لکھ رہا ہوں کہ ہر عضو کے احساسات، ان کی خواہشات اور ان کے مطالبات کو بالتفصیل بیان کروں، اسلئے صرف مثال کے طور سے معدے کو پیش کرتا ہوں کہ معدہ خلو کو برداشت نہیں کرتا، اس میں باہر سے کوئی غذا پہونچنی چاہئے تاکہ اس کا خلو دور ہو اور وہ اپنا مفوضہ کام انجام دینے لگے، اگر باہر سے غذا نہیں پہونچتی ہے تو جو کچھ رطوبت اس میں ہے اسی پر وہ کچھ دیر قناعت کرتا ہے مگر پھر اس کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے اس کے اسی مطالبے کا نام بھوک ہے۔

اسی طرح عورتوں کا رحم عــہ بھی خلو برداشت نہیں کرتا۔ اس میں اس کے مطالبے کے مطابق کچھ چیزیں ضرور پہونچنی چاہییں تاکہ اس کی سیری ہو۔ فطرت کی طرف سے اس کی وقتی سیری کا سامان یہ کر دیا گیا ہے کہ اس میں تھوڑا تھوڑا خون جگر سے برابر پہونچتا رہتا ہے۔ جس کا لطیف حصہ تو خود رحم کی غذا ہو جاتا ہے باقی وہیں جمع ہوتا رہتا ہے۔ تقریباً ایک مہینے تک جمع ہوتے ہوتے جب ضرورت سے فاضل ہو جاتا ہے، اور اب اس عضو کی فطرت اس مقامی سامان شکم سیری پر قناعت کرنے کیلئے تیار نہیں رہتی۔ باہر سے اس میں اس چیز کو پہونچنا چاہیئے جس کے لئے یہ عضو مخلوق ہوا ہے۔ اسلئے رحم اس جمع شدہ خون کو باہر پھینکنے لگتا ہے، جس کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہتا ہے۔ جب سب جمع شدہ خون نکل گیا اور آمد حیض موقوف ہوگئی تو اب اس عضو کا زبردست مطالبہ باہر سے سامان شکم پری کے لئے شروع ہو جاتا ہے جس کو جنسی خواہش کہتے ہیں۔ چند دنوں تک اس مطالبے کا زور رہتا ہے پھر اسمیں رفتہ رفتہ خون آنے لگتا ہے تو جب خون کی مقدار ایک حد تک اس میں جمع ہو جاتی ہے تو بیرونی سامان شکم پری کا وہ زوردار مطالبہ مدھم پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر خون آنے لگے۔

آپ ہر مادہ جانور میں یہ بات ضرور محسوس کرینگے کہ ان پر ایک وقت کچھ کچھ دنوں کے بعد ضرور آتا ہے کہ ان پر جنسی خواہش کا زور ہوتا ہے، اور ایک طرح کی بے چینی

عــہ واضح رہے کہ اعضائے تناسل کی تخلیق بچپن تک مکمل نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے بچے اور بچیاں اپنے ہوا قع نمو کے مطابق بڑھتی جاتی ہیں ان کے اعضائے تناسل کی بھی تخلیق ردنہ تکمیل ہوتی جاتی ہے۔ بالغ ہونے تک دونوں کے اعضائے تناسل بیرونی و اندرونی مکمل ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے عورتوں کو بلوغ کے بعد حیض آنے لگتا ہے۔ ۱۲ منہ غفر لہ

اور اضطراب کا نمایاں اثر اس وقت ان میں ہر شخص دیکھتا یا دیکھ سکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ انسان عورتوں میں بھی آمد حیض کی موقوفی کے بعد جنسی خواہش کے غلبے کے باعث بے چینی اور اضطراب نہ ہوتا ہو مگر انسان عقل رکھتا ہے۔ پھر عورتوں میں عقل کے علاوہ شرم و حیا بھی ایک بہت زبردست رکاوٹ ہے جس کے سبب سے وہ اپنی بے چینی کا اظہار کسی طرح بھی نہیں کر سکتیں۔ دوسروں پر کیا کریںگی خود اپنے شوہروں سے بھی نہیں کرتیں۔ مگر وہ اظہار نہ کر سکیں تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اس عضو کا وہ فطری مطالبہ جو ہر مادہ حیوان کو ہوتا ہے، ان میں ہوتا ہی نہیں۔ ہوتا ہے، اور ضرور رہتا ہے۔

طلاق دینے کا وقت

قرآن مجید نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ جس وقت چاہو بیوی کو طلاق دیدو بلکہ طلاق دینے کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ سورہ طلاق کے شروع ہی میں ہے اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة۔ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے بعد طلاق دو اور اس عدۃ کا احصا کر لو۔ یعنی اس عدت کو حفظ و ضبط میں رکھکر طلاق اس کے بعد دو۔ یہاں عدّۃ سے مراد طلاق والی عدت نہیں ہے۔ طلاق والی عدت تو طلاق کے بعد شروع ہوگی یہ کہنا کہ لام تعلیلیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق اسلئے دو کہ وہ عدت گذاریں اور تم اس طلاق کی عدت کو گنتے رہو۔ ایسا کہنا قلت تدبر کی دلیل ہے۔ طلقوھن اور عدتھن دونوں کی ضمیریں النساء کی طرف پھر رہی ہیں۔ لعدتھن پر لام تعلیلیہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ لام تعلیلیہ فعل کی علت غائیہ پر آتا ہے۔ ثلثۃ قروء کا تربص طلاق کی علت غائیہ نہیں ہے۔ عدت کا گذارنا کوئی مقصد نہیں ہے کہ اس مقصد کو پورا کرنے یا حاصل کرنے کیلئے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیگا۔ عدت تو بہرحال مطلقۂ مدخولہ پر فرض ہی ہے۔ وہ تو طلاق پانے کے بعد عدت گذارنا شروع ہی کر دیگی۔ اور نہ عدت گننے کی چیز ہے اسلئے کہ ہر مطلقہ کی ایک ہی عدت ہوتی ہے۔ عدت تو متعدد نہیں ہوتی کہ گنی جاسکے۔ البتہ عدت طلاق کے بعد تین حیضوں اور ان کے سابق طہروں کے ایام کے مجموعے کا نام ہے وہ ایام ضرور گنے جاسکتے ہیں۔ یا تینوں حیض گنے جاسکتے ہیں۔ مگر احصاء کے معنی

گننے کے ہیں ہی نہیں۔ احصار کے معنی ہیں حفظ و ضبط میں رکھنا۔ گننے کے معنی میں احصار کا لفظ آتا ہی نہیں۔ بے شک بعض چیزوں کو گن کر بھی حفظ و ضبط میں رکھتے ہیں۔ تو وہاں یہ کہنا ہوگا کہ گن کر حفظ و ضبط میں رکھا۔ مثلاً قرآن مجید سورۃ جن میں ہے واحصٰی کل شیئ عددًا۔ ورنہ وکل شیئ احصیناہ فی امام مبین۔ وکل شیئ احصیناہ کتابا۔ مالھٰذا الکتٰب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔ وغیرہا من الآیات کو دیکھئے ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی جہاں احصار فقط گننے کے معنی میں آیا ہو۔ باقی رہی عدۃ۔ تو میں لکھ چکا کہ لعدتھن کی ضمیر النساء کی طرف پھر رہی ہے۔ اور عدۃ کہتے ہیں ان چند مخصوص ایام کو جو گنے جاتے ہوں۔ اور بعض شارحین ایام کو گنا کرتی ہیں وہ حیض ہی کے ایام ہیں۔ اور لام بعدیت کے لئے ہے۔ یعنی بعد عدتھن مگر اہل ادب یہ بھی جانتے ہیں کہ لام جو بعدیت کے لئے آتا ہے اس سے مقصود عموماً بعدِ متصل ہی ہوتا ہے یعنی فوراً بعد جیسے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس یعنی بعد دلوک الشمس اسی لئے حدیثوں میں اول وقت نماز کی تاکید ہے مگر لام بعدیت سے مراد بعدیت متصلہ ہوتی ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ اگر فوراً بعد کسی وجہ سے نہ ہو سکا، اور دیر ہو گئی تو وقت گذر گیا جبتک دوسرا دلوک نہ ہو پہلے دلوک کی بعدیت باقی رہیگی۔ اسی طرح ایک حیض کے فوراً بعد طلاق دینے کا حکم ہے مگر فوراً طلاق نہ دی تو دوسرے حیض کی آمد کے قبل تک دے سکتا ہے۔ مگر حکم کا منشا یہی ہے کہ فوراً بعد طلاق دے۔ حدیث میں بحالت حیض بیوی کو طلاق دینے کی ممانعت اسی آیت کی بنا پر ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم محض اپنی طرف سے کوئی دینی حکم نہیں دیتے تھے اور نہ محض اپنی طرف سے کسی کام سے سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔

باقی احصار العدۃ کا حکم تو العدۃ پر الف لام عہد کا ہے یعنی جس حیض کے بعد طلاق دو اس حیض کو حفظ و ضبط میں رکھو یعنی ایسا نہ ہو کہ اس حیض سے پہلے طہر میں تم نے اس عورت سے مجامعت کر لی ہو۔ اور حمل رہ گیا ہو تو اس کے بعد شوہر نے سابق تجربے کی بنا پر سمجھ لیا کہ اب اس کو آج سے حیض آنے لگا ہوگا۔ اور چونکہ برابر اسکو تین چار روز سے زیادہ حیض نہیں آتا تھا اسلئے شوہر نے پانچ چھ دن کے

بعد طلاق دیدی۔ یا کبھی آغاز حمل میں کچھ حیض آبھی جاتا ہے۔ اسلئے آغاز حمل کا پتا نہ حاملہ کو ملا نہ شوہر کو۔ حیض آگیا۔ عورت جب پاک ہو کر غسل سے فارغ ہوئی تو شوہر نے طلاق دیدی۔ مقصود یہ ہے کہ طلاق حالت حمل میں واقع نہ ہو۔ اسلئے فرمایا کہ جس حیض کے بعد طلاق دو اس حیض کو حفظ و ضبط میں رکھو۔ یعنی اس حیض سے پہلے جو طہر ہو اس طہر میں اس عورت سے مجامعت نہ کرو اس حیض کو آثار حمل سے حفظ وضبط میں رکھو۔ تو جس طہر کو شوہر نے مجامعت سے خالی رکھا یقیناً اس سے پہلے بھی ایک حیض آیا تھا۔ اور اس طہر کے بعد بھی ایک حیض آیا۔ ان دو دو حیضوں کے مسلسل آنے سے حمل کا اشتباہ باقی نہ رہا۔

اور میں لکھ چکا ہوں کہ عورتوں کو حیض سے پاک ہونے کے بعد فطرۃً جنسی خواہش کی بے چینی ہوتی ہے۔ جس طہر کو شوہر نے مجامعت سے خالی رکھا اس کے قبل جو حیض آیا۔ اس حیض سے پاک ہونے کے بعد ضرور اس عورت کو فطری بے چینی ہوئی ہوگی۔ اور وہ شوہر کی توجہ کی منتظر ہوگی۔ مگر پورا طہر گذر گیا اور شوہر نے اسکی طرف مطلق توجہ نہ کی تو ضرور اس عورت کا ماتھا ٹھنکنا چاہئے۔ کہ آخر شوہر نے بلا وجہ یہ بے توجہی کیوں برتی؛ اور چونکہ شوہر طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو شوہر کی بعض دوسری اداؤں سے بھی وہ شوہر کی رنجش کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ اور عذر و معذرت کرکے شوہر کو راضی کر سکتی ہے کہ وہ طلاق نہ دے۔ دوسرے لوگوں کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کر سکتی ہے۔ ورنہ جب ایک پورے طہر کو مجامعت سے خالی رکھکر ایک حیض کے بعد شوہر نے طلاق دیدی۔ تو اب عورت کا یہ دوسرا حیض ہوگا۔ جس کے بعد دوبارہ اسکو اس فطری بے چینی کا سابقہ پڑا۔ اور بقرینۂ غالب اب کے اسکو پہلے مرتبے سے زیادہ بے چینی ہوگی۔ اسلئے کہ طلاق کے بعد ہی سے یہ عدت تو گذارنے لگی۔ مگر اپنی فطری بے چینی سے ضرور مجبور ہوگی کہ شوہر کو کسی طرح راضی کرے اور مصالحت کی کوشش کرے۔ اگر طلاق کی خبر بد کے اثر سے اس کو اسقدر انقباض ہوا کہ اس کا وہ فطری مطالبہ بجھ گیا۔ اور بے چینی کے عوض افسردگی و غم و حزن نے لے لی۔ تو دو تین ہفتے تک اس غم و حزن سے کچھ خوگری سی ضرور ہو گئی ہوگی اب عدت طلاق کا پہلا حیض آیا تو وہ غم و حزن کا اثر تو مدہم پڑ ہی چکا تھا اس حیض کے بعد

تو وہ فطری مطالبہ پھر اُبھریگا۔ اور بخوبی ممکن ہے کہ تین تین حیض کے بعد جو مطالبہ اُبھرے تو ذرا شدت کے ساتھ ابھرے۔ اور عورت مجبور ہو جائے شوہر سے معافی مانگنے پر اور وہ لوگوں کو درمیان میں ڈالے اور مصالحت کی پوری کوشش کرے۔ اگر طلاق کے پہلے حیض میں بھی اس نے ضبط سے کام لیا، اور مصالحت کی کوئی کوشش نہ کی تو پھر عدت طلاق کا دوسرا حیض آئیگا۔ اسکے بعد تو وہ فطری مطالبہ اسکو ضرور مجبور کرکے رہیگا کہ وہ شوہر کو کسی نہ کسی طرح اپنے سے راضی کرلے اس پورے آخری طہر میں وہ کوشش کرکے شوہر کو امساک یعنی رجوع پر راضی کرسکتی ہے یہاں تک کہ تیسرا حیض آجائے یہ عدت طلاق کا آخری حیض ہے۔ اس حیض کے اندر بھی مصالحت ہو سکتی ہے۔ حیض میں شوہر مجامعت نہیں کرسکتا مگر بوس وکنار تو کرسکتا ہے۔ امساک و رجوع کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور صرف زبان سے بھی کہدے سکتا ہے کہ میں نے امساک کرلیا۔ اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلی۔

واضح رہے کہ مطلقہ پر عدت اسی طلاق کے بعد فرض ہے جو شوہر اپنی مدخولہ بیوی کو اپنی مرضی سے طلاق دے۔ اس کے علاوہ کسی طلاق میں عدت مطلقہ پر فرض نہیں۔ عورت غیر ممسوسہ ہو تو طلاق کے بعد اس پر عدت ہی فرض نہیں۔ عورت ہی شوہر سے بیزار ہو اور شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرکے باصرار طلاق لے لے تو اس پر بھی عدت فرض نہیں ان دو قسموں کے سوا اور کوئی بے عدت کی تنسیخی طلاق ہی نہیں۔ اور جس طلاق کے بعد عورت پر عدت فرض ہے وہی طلاق امساکی یعنی رجعی ہوتی ہے وہ طلاق تنسیخی بھی نہیں ہوتی۔ یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے بائنہ نہیں ہوتی۔ عدت والی طلاق میں عدت گذرنے کے بعد خود بخود تنسیخ ہو جاتی ہے یعنی عدت گذری اور وہ شوہر کی زوجیت سے آزاد ہوگئی۔ عدت والی طلاق میں طلاق سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ عدت گذرنے سے نکاح ٹوٹتا ہے اسلئے جب عدت کے اندر نکاح باقی ہے تو عورت تنہائی میں شوہر کے پاس آکر اس سے معذرت کرسکتی ہے۔ اس کے پاؤں پکڑ لے سکتی ہے۔ عورت اگر طلاق دینے والے شوہر سے لپٹ جائے تو اس سے امساک نہیں ہو جاتا۔ جبتک شوہر اپنے ارادے سے اسکو نہ لپٹالے امساک شوہر کا بالارادہ فعل ہے

اگر کسی دوسری بیوی کے دھوکے میں شوہر نے اپنی مطلقہ بیوی کو لپٹا لیا یا بوسہ لے لیا۔ اور وہ اسکو امساک نہیں قرار دیتا ہے تو امساک نہوگا۔ مگر دوسری بیوی کے دھوکے میں اگر اس نے اپنی مطلقہ سے اسکی عدت کے اندر مجامعت کر لی ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ اسکو امساک قرار دے اور امساک سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مجامعت سے استقرار حمل اسکو ہو گیا ہو۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس وقت اظہار امساک نہ کرے امساک کے اعلان کو آثار حمل نمایاں ہونے پر اٹھار کھے۔ کیونکہ آثار حمل عدت گذرنے کے بعد نمایاں ہونگے تو کیا وہ عدت گذر جانے کے بعد امساک کریگا۔؟

انہیں مصلحتوں کی بنا پر شوہر کو حکم ہے کہ ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن عدت کے اندر اپنی مطلقہ کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں۔ من بیوتھن اسی لئے فرمایا گیا کہ عدت کے آخری لمحے تک نکاح جب باقی رہتا ہے۔ تو شوہر کا گھر جس طرح طلاق سے پہلے ان کا گھر تھا۔ اسی طرح طلاق کے بعد بھی عدت تک شوہر کا گھر ان کا گھر ہے۔ وہ اپنے گھر سے عدت کے اندر نہ نکلیں۔ ارتکاب فاحشہ کی حالت میں جو اسکی اجازت دی گئی ہے کہ شوہر گھر سے نکال دے سکتا ہے۔ یا وہ خود بھی باہر نکل جا سکتی ہے اور اپنے میکے چلی جا سکتی ہے یہ صرف اسلئے کہ بصورت ارتکاب فاحشہ شوہر اسکو اپنے گھر میں رکھنا شاید پسند نہ کرے۔ یا وہ عورت ہی اب اس گھر میں رہنا پسند نہ کرے۔ ورنہ اس حالت میں بھی شوہر کو یہ حکم نہیں ہے کہ کھلی فحش حرکت کے ارتکاب کی صورت میں اسکو گھر سے نکال دو۔ نہ اس عورت کو حکم ہے کہ وہ ایسی صورت میں اس گھر سے نکل جائے کیونکہ ارتکاب فاحشہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

غرض اس کا مطلب یہی ہے کہ جب طلاق کے بعد بھی زن و شو ایک جگہ رہینگے یعنی ایک ہی گھر میں۔ اور دونوں کو معلوم ہے کہ عدت تک نکاح باقی ہے اسی لئے عورت طلاق دینے والے شوہر سے پردہ بھی نہیں کرتی ہے۔ سامنے آتے جاتے یا تخلیہ ہی میں عورت شوہر کا دامن پکڑ لے سکتی ہے۔ پاؤں پکڑ لے سکتی ہے۔ سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑی ہو جا سکتی ہے۔ اپنی سرکشی و نافرمانی پر ندامت کا

اظہار کر کے معافی مانگ سکتی ہے۔ شوہر کو بھی اس پر ترس آسکتا ہے۔ اگلی محبت یاد آجا سکتی ہے۔

یہ ساری صورتیں تین حیضوں ہی کی عدت میں زیادہ متوقع ہیں۔ اگر تین مہینے کی عدت رکھی جاتی تو گنتی مہینوں کی ہوتی۔ اس درمیان میں حیض بھی آتے اور موقوف بھی ہوتے۔ اور موقوفی حیض کے بعد فطری مطالبہ کا زور بھی ضرور ہوتا۔ مگر خیال کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ مہینوں کے آنے جانے سے کوئی نفسیاتی اثر اس مطلقہ پر نہیں پڑ سکتا۔ بخلاف حیض کے کہ ایام حیض کے بار بار آنے سے اور انہیں کے شمار میں آنے سے اور انہیں کے بعض فطری نفسانی خواہش کے ہیجان اور مطالبے سے عورت کے نفس پر زبردست اثر پڑنے کی بہت زیادہ توقع ہے، چونکہ طلاق عورت کو اسی کی سرکشی و نافرمانی و زبان درازی یا کوتاہی خدمت یا سخن ناشنوائی کے باعث شوہر نے دی ہے۔ اسلئے عورت اسباب طلاق کو خوب سمجھتی ہوگی۔ طلاق سے پہلے شوہر نے اسکو جن جن ناشائستہ باتوں سے بار بار منع کیا تھا۔ وہ ساری باتیں اسکو ضرور یاد آتی ہونگی طلاق سے پہلے اگر دونوں طرف کے حکموں نے مصالحت کی کوشش کے وقت اس عورت کو کچھ نصیحتیں کی ہونگی تو وہ نصیحتیں بھی اسکو ضرور یاد آتی ہونگی۔ اگر طلاق احصار کردہ حیض کے فوراً بعد دی گئی ہے۔ تو ٹھیک ہیجان خواہش کے وقت دی گئی ہے اور جس طرح اس حیض کے پہلے ایک پورا طہر مجامعت سے خالی گذرا ہے اسی طرح جس طہر کے آغاز میں طلاق واقع ہوئی ہے پورا طہر بھی مجامعت سے خالی ہی رہیگا۔ اب جو عدت طلاق کا پہلا حیض آئیگا تو ضرور عورت کو اس کا خیال ہوگا۔ کہ اس حیض کے بعد والا طہر بھی خالی ہی گذریگا۔ اور یہ مطالبہ فطری سے محرومی اسکو خود اسی کی ضد اور ہٹ پر قائم رہنے ہی کے باعث ہو رہی ہے۔ ہر حیض اسکو اپنے فطری مطالبے کی محرومی سے ڈرائیگا۔ یہ فائدہ مہینوں کے حساب سے عدت میں کہاں ہو سکتا۔ سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔

اس کے علاوہ | اس کے علاوہ طلاق دینے کا وقت بھی ایک احصار کردہ حیض کے بعد مقرر کرنا۔ اور پھر عدت طلاق بھی تین حیض مقرر کرنا۔ اس کی طرف بھی ایک اشارہ ہے کہ ایسی عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو چاہے بڑھاپے کے باعث چاہے نابالغیت کے سبب چاہے بیماری کی وجہ سے، حتے الوسع ان کو طلاق نہ دو۔

بوڑھی غریب تم سے طلاق پاکر کہاں جائیگی اور کس کے پاس جائیگی۔ دوسرا کون اس سے نکاح کریگا۔ اسکی زندگی خراب نہ کرو۔ جو بیمار ہو وہ دوا و علاج کی محتاج ہمدردی اور تیمارداری کی مستحق ہے نہ کہ طلاق کی۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی حمیت کے خلاف ہے کہ ایک بیمار عورت کو تم طلاق کی سوہان روح تکلیف دو، نابالغہ تعلیم و تربیت کی مستحق ہے نہ کہ طلاق کی غریب تو ابھی نکاح ہی کا لطف نہیں جانتی۔ طلاق کی اہمیت کیا سمجھے گی۔ غرض حیض کا اعتبار طلاق کی عدت میں کرکے ایک بڑی اخلاقی تعلیم بھی اشارۃً دیدی گئی۔ اگر مہینوں کے حساب سے عدۃ طلاق مقرر کی جاتی تو اس کے ذریعے یہ اخلاقی تعلیم غیر ممکن تھی۔

اسی طرح حالت حمل میں بھی طلاق دینے سے اشارۃً روکا گیا ہے۔ کہ تمہاری حاملہ بیوی تمہاری امانت اپنے رحم میں رکھے ہوئے ہے۔ ولادت کے بعد تم اپنے بچے کی پرورش و پرداخت میں اسکی اپنے ساتھ موجودگی ضروری سمجھوگے۔ اس لئے اسکو بحالت حمل طلاق نہ دو۔ ہوسکتا ہے کہ طلاق کی خبر سے اسکو ایسی قلبی تکلیف پونہچے کہ روتے روتے بیمار پڑ جائے اور اس کا اثر اس کے پیٹ کے بچے پر بھی پڑے۔ اگرچہ حیض محض کے بعد طلاق دینے سے امید کم ہے کہ بحالت حمل طلاق واقع ہو۔ مگر اتفاقاً ہی سہی کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ بحالت حمل دو مہینے تک کچھ نہ کچھ حیض آجائے یا وہ خون حیض کا نہ ہو۔ بلکہ بیماری کا ہو اور حیض سمجھکر شوہر نے اسکے بعد طلاق دیدی ہو اور طلاق کے مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد آثار حمل ظاہر ہونے لگے ہوں۔ اسی لئے عورتوں کو سختی کے ساتھ حکم ہوا کہ اگر تم اللہ تعالےٰ پر اور قیامت کی بازپرس پر ایمان رکھتی ہو تو اپنے حمل کو اپنے طلاق دینے والے شوہر سے پوشیدہ نہ رکھو۔ یہ اسی لئے حکم ہے کہ شوہر نے اگر لاعلمی میں طلاق دیدی تھی بعد کو حمل کا حال معلوم ہوگیا تو اب وہ اپنے بچے کی پرورش و پرداخت کے خیال سے امساک کرلے اور اپنے ارادۂ فسخ نکاح سے رجوع کرلے۔

غرض یہ سب فوائد اسی صورت میں حاصل ہوسکتے تھے کہ عدت طلاق حیضوں کی گنتی کے حساب سے ہو نہ کہ مہینوں کی گنتی کے حساب سے۔

لـه قوله تعالےٰ ولا یحل لهن ان یکتمن۔ او ران مطلقات کے لئے یہ

جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا حمل شوہر سے پوشیدہ رکھیں۔ چونکہ یہ حکم مطلقات ہی کو ہے لھن اور یکتمن کی ضمیریں مطلقات ہی کی طرف پھر رہی ہیں اس لئے غیر مطلقہ بیویاں بھی ضمناً اس حکم میں داخل سمجھی جاسکتی ہیں مگر یہاں اصل مخاطب طلاقی ہی عورتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ شوہر ہی سے چھپانے کی ممانعت ہے نہ کہ " دائی " سے۔ اور اس کا مقصد اوپر بیان ہو چکا

۵ قولہ تعالےٰ بعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ ط

اور ان مطلقات کے شوہر ان کی واپسی کے (دوسروں سے) زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ وہ سب لوگ ایسی واپسی میں اصلاح کی توقع رکھتے ہوں۔

یہاں بھی بعولتھن کی ضمیر المطلقٰت کی طرف اسی طرح پھر رہی ہے جس طرح ولا یحل لھن ان یکتمن کی دونوں ضمیریں پھر رہی ہیں۔ اور المطلقٰت کے متعلق حاشیہ لہ میں بیان ہو چکا ہے کہ الف لام جمع کے صیغے پر آیا ہے۔ اسلئے مفید استغراق ہے۔ ہر مطلقہ یہاں مراد ہے۔ صرف غیر ممسوسہ اور مختلعہ دو قسم کی مطلقہ مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ از روئے قرآن ہی وہ مستثنیٰ ہیں۔ باقی ہر مطلقہ کے متعلق جس طرح ولا یحل لھن ان یکتمن کا حکم عام ہے اسی طرح یہاں غیر ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا ہر مطلقہ کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے وہی طلاق دینے والے شوہر اپنی مطلقات کی واپسی کے دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں۔ کوئی دلیل قرآنی ایسی نہیں مل سکتی کہ صرف وبعولتھن کی ضمیر کو عام المطلقٰت کی طرف پھیرنے کے باوجود ان کے صرف بعض مخصوص افراد کو مراد لیں۔

احق کا لفظ صیغہ اسم تفضیل ہے۔ یہ کبھی اسم صریح کی حیثیت سے آتا ہے۔ جیسے لوگوں کے نام احمد وغیرہ یا صرف صیغہ صفت کی حیثیت سے رہتا ہے جہاں وہی وزن صیغہ صفت کا ہو کوئی دوسرا وزن صیغہ صفت کے لئے نہ ہو اسم تفضیل کبھی مِنْ کے ساتھ آتا ہے جیسے الفتنۃ اشد من القتل۔ کبھی اضافت کے ساتھ جیسے اشد الناس عداوۃ۔ اور کبھی مفضول من کے ساتھ محذوف ہوتا ہے۔ جیسے اللّٰہ اکبر۔ یعنی من غیرہ۔ اور کبھی مضاف الیہ محذوف ہوتا ہے۔ جیسے " لہ اثنا عشر ولداً وعبد اللّٰہ اکبر " اے اکبر اولادہ۔

مگر معنی تفضیل سے معرّی اسم تفضیل کبھی نہیں آتا۔ البتہ رنگ یا عیب کا ایسا لفظ جس کا صیغہ صفت افعل ہی کے وزن پر آتا ہو جیسے اسود، احمر، ابیض

احمق وغیرہ کہ ان کا صیغہ صفت کسی دوسرے وزن پر نہیں آتا - اسلئے یہ اسم تفضیل ہی نہیں ہیں - صیغہ صفت ہی ہیں - بخلاف احسن، اقبح، اجمل، اکمل، انقص وغیرہ کے کہ یہ سب اسم تفضیل ہیں اسلئے کہ ان کے صیغہائے صفت حسین، قبیح، جمیل، کامل، ناقص، موجود ہیں اسلئے یہ سب اسمائے تفضیل ہیں - اور اسم تفضیل مفہوم تفضیل سے معرّیٰ کبھی نہیں ہوتا - احق کا صیغۂ صفت حقیق موجود ہے - اسلئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ احق کو بلا وجہ اور بلا دلیل اس کے معنی وضعی کے خلاف اپنا مفہوم نکالنے کیلئے معنی تفضیل سے معرّیٰ صرف صیغہ صفت حقیق کے معنی میں سمجھا جائے - اس کے علاوہ حقیق ہو یا احق ہو دونوں کا مفہوم مقولہ اضافت سے ہے اور اسکی دُہری اضافت ہوتی ہے - ایک تو حقدار کی اضافت اسی چیز کی طرف جس کی حقداری کا دعویٰ کیا جاتا ہے - دوسری اضافت ان لوگوں کی طرف جن کے مقابلے میں حقداری کا دعویٰ کیا جاتا ہے حقیق اور احق میں فرق اس قدر ہے کہ حقیق میں دوسرے حقداروں کے وجود کی نہیں بلکہ ان کے دعویٰ حقداری کی نفی مقصود ہوتی ہے - اور صرف اپنی یا جس کی حقداری متکلم بیان کر رہا ہے - اسکی حقداری کے برحق ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے - اور احق میں دوسرے حقداروں کا وجود اور ان کی حقداری تسلیم کرکے ایک کو دوسروں سے زیادہ حقدار ثابت کیا جاتا ہے - مگر حقیق میں بھی دوسرے حقداری کے مدعیوں کی طرف ذہن ضرور جاتا ہے - اور ان کا وجود بھی اور ان کے دعویٰ حقداری کا وجود بھی ضرور مسلّم ہوتا ہے - لیکن ان کے دعویٰ حقداری کی صحت سے صرف انکار مقصود ہوتا ہے - جس طرح سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اپنے متعلق کہا کہ حقیق الّا اقول علے اللہ الّا الحق میں اس کا حقدار ہوں کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں حق ہی کہوں - اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لوگ اللہ کی طرف سے کوئی حق بات بھی بولنے والے تھے ہی نہیں یا اس وقت اسکے مدعی لوگ نہ تھے - مگر دوسرے مدعیاں حقگوئی کے دعوے کی صحت سے انکار ہے -

مگر یہاں تو احق کا لفظ ہے - اسلئے دوسرے حقداروں کا وجود اور ان کے دعویٰ حقداری کی فی الجملہ صحت یہاں تسلیم کرنی پڑیگی - حقداری کے وجوہ مختلف

ہوسکتے ہیں۔ کوئی مدعی حقداری قرب قرابت کے باعث، کوئی دولت کی بدولت، کوئی جاہ و منصب کے اعتبار سے اور کوئی علم و فضل کی حیثیت سے ہوسکتا ہے۔ اور اور بردّھن کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ حقداری اس عورت کی خواہشمندی اور اس سے نکاح کر کے اسکو اپنی زوجیت میں لیتے ہی کی یہاں مقصود ہے۔ شوہران سب خواہشمندوں سے اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اسکی مطلقہ اسی کے پاس واپس جائے۔

یہ کہنا کس قدر لغو اور مہمل ہے کہ شوہر خود اس مطلقہ سے زیادہ حقدار ہے یعنی جتنا حق اس مطلقہ کو اپنے نفس پر ہے اس سے زیادہ اس طلاق دینے والے شوہر کو اس کے نفس پر حق ہے۔ کیسی لایعنی اور مہمل بات کہی گئی ہے۔ اور کیسے کیسے اکابر مفسرین نے فرمائی ہے۔ اتنا تو سوچتے کہ یہاں احق بردھن ہے احق بانفسھن نہیں ہے۔ معمولی اور سرسری نظر سے انسان سمجھ سکتا ہے وبعولتھن احق بردھن کا مطلب یہ ہے کہ بعولتھن احق من الاحقاء بردھن۔ یعنی شوہر اپنے ہر شریک فی الحق سے زیادہ حقدار ہے۔ اور اس کے شریک فی الحق وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اسکی طرح اسکی مطلقہ کو اپنی زوجیت میں لانا چاہتے ہوں۔ کیا وہ عورت آپ اپنے کو اس شوہر کی طرح جس نے اس کو طلاق دی ہے اپنی زوجیت میں لانے کی خواہشمند ہوسکتی ہے۔

بردھن | رد فعل متعدی ہے اس کا مفہوم تین چیزوں کا طالب ہے۔ ۱رد کرنے والا یعنی واپس کرنے والا۔ ۲وہ جس کو واپس کیا جائے۔ اور ۳وہ جس کے پاس وہ چیز واپس کی جائے۔ عورتیں خود اپنا نکاح کسی مرد سے عموماً نہیں کرتیں مردوں کو حکم ہے وانکحوا الایامیٰ منکم اپنی بے شوہر عورتوں کا نکاح کر دو۔ اس لئے واپس کرنے والے اس مطلقہ کے اولیا رہی ہوسکتے ہیں۔ اور واپس ہونے والی وہ مطلقہ ہی ہوگی اور جس کے پاس وہ واپس ہوگی وہ اس کا وہی طلاق دینے والا شوہر ہوگا۔

واپسی | ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ جا کر پھر اسی پہلی جگہ ہوا کرتی ہے۔ عورت طلاق پانے کے بعد شوہر ہی کے گھر میں عدت کے آخری لمحے تک رہتی ہے۔ نہ شوہر کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اسکو اپنے گھر سے نکال دے، نہ خود

اسکو اس کی اجازت ہے کہ شوہر کے گھر سے اپنے اولیاء کے پاس عدت کے اندر چلی آئے۔ تو جبتک عدت باقی ہے وہ شوہر کے نکاح میں ہے، شوہر اس کا شوہر ہے اور وہ مطلقہ اپنے اس طلاق دینے والے شوہر کی بیوی ہے۔ ایسی حالت میں اس عورت کا کوئی دوسرا حقدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ یہ مطلقہ شوہر کے گھر سے باہر گئی ہے کہ عدت کے اندر پھر شوہر کے گھر واپس آئیگی۔ شوہر سے اس کا نکاح بھی نہیں ٹوٹا ہے کہ کہا جائے کہ مراد زوجیت میں واپس آتا ہے۔ اسلئے ماننا پڑیگا کہ یہ آیت عدت گذرنے کے بعد جب شوہر تسریح کر کے اپنی مطلقہ کو اسکے اولیاء کے گھر رخصت کر دے اور اب جہاں دوسرے امیدوار پیغام نکاح اس کے پاس بھیج رہے ہوں وہاں پھر اس شوہر نے بھی اپنے طلاق دینے کی غلطی محسوس کی ہو اور دوبارہ اس سے نکاح کا پیغام بھیجا ہو ایسی حالت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وبعولتھن احق بردھن ان مطلقات کے شوہر (دوسروں سے) ان کی واپسی کے زیادہ حقدار ہیں وہ تسریح پا کر شوہر کی زوجیت سے عدت کے بعد نکل چکی ہیں۔ اور شوہر کے گھر سے رخصت ہو چکی ہیں۔ دونوں کے درمیان جو نکاح کا رشتہ تھا ٹوٹ چکا ہے۔ اب ان کے اولیاء کے ذمے وانکحوا الایامیٰ منکم کے حکم کے مطابق اس بے شوہر مطلقہ کا کسی سے نکاح کر دینا فرض ہے۔ اس لئے اس کے اولیاء نے اس کے متعلق ادھر ادھر لوگوں سے بات چلانا شروع کر دی۔ پیغام کئی جگہ سے آئے اور اس طلاق دینے والے شوہر نے پھر اپنا پیغام بھیجا۔ ایسی حالت میں ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس پہلے شوہر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ آزمودہ را نیازمودہ اسلئے کسی نئے ہی شخص سے رشتہ قائم کرنا چاہیے۔ اس رائے کو نامناسب قرار دیکر فرمایا گیا کہ نہیں۔ دوسروں سے وہی پہلا شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اسکی مطلقہ پھر اسی کی زوجیت میں واپس آئے۔ بہر حال نہیں۔ بلکہ

فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ اسی واپسی میں اگر یہ مطلقہ اور اس کے اولیاء دونوں زن وشوہ کے درمیان اصلاح کی توقع رکھتے ہوں جیسے فی ذلک یعنی فی ذلک الرد ان ارادوا ون دھم اولیاء

تلک المراۃ) اصلاحا بین ھذہ المراۃ وزوجھا السابق الذی طلقھا
یعنی ذلک کا اشارہ رد یعنی واپسی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ واپس کرنے والوں
نے جو اس عورت کے اولیا رہی ہو سکتے ہیں اگر اس عورت کی اسی پہلے شوہر کی
طرف واپسی ہی میں اس عورت اور اس کے پہلے شوہر کے درمیان اصلاح حال
کی توقع رکھتے ہوں۔

الارادۃ کے معنی توقع بہت دائر و سائر ہیں جیسے ہابیل و قابیل کے ذکر
میں ہے انی ارید ان تبوء باثمی واثمک۔ اور سورہ دہر
میں ہے۔ لا نرید منکم جزاء و لا شکورا۔ اور ارشاد ہے ومن یرد
ثواب الدنیا نؤتہ منھا۔ سورہ کہف میں ہے فاردنا ان یبدلھما
ربھما خیرا منہ۔ اور اسی میں ہے فوجدا فیھا جدارا یرید ان ینقض
اتنی مثالیں کافی ہیں اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید ہی سے مل سکتی ہیں "چاہنے"
کے معنی تو بہت متعارف ہیں۔ اگر یہاں بھی "چاہنے" ہی کے معنی لیئے جائیں تو کوئی
مضائقہ نہیں ہے یعنی ترجمہ یوں کیا جائے "اگر وہ لوگ اصلاح چاہتے ہوں" اور
اگر "ارادہ" ہی کے معنی لیجئے جب بھی میرا کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ یعنی ترجمہ یوں کیجیے
"اگر وہ لوگ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں اسی واپسی میں" لیکن "توقع" کا مفہوم زیادہ
چسپاں ہے اسلئے کہ فوری اصلاح تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آئندہ دونوں زن و شو صلح
اور باہمی اصلاح حال کے ساتھ رہیں اس کی دوسرے لوگ توقع ہی کر سکتے ہیں۔
زمانہ آئندہ کے متعلق توقع کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اور اصلاح حال
کے ساتھ رہنے کا ارادہ تو صرف وہ دونوں زن و شو ہی کر سکتے ہیں۔ اولیا بیچارے
صرف چاہ سکتے ہیں یا توقع رکھ سکتے ہیں۔ اور آئندہ کے متعلق توقع سب رکھ سکتے
ہیں مگر "چاہنے" سے "توقع" کا مفہوم یہاں زیادہ بلیغ ہے۔ اسلئے میں نے ترجمہ
میں توقع ہی کا لفظ رکھا ہے۔

مفسرین کے سامنے بھی یہ واضح اور روشن تفسیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ علمی
رکھتے تھے۔ مگر ان کے دماغ پر روایات اور روایات کے ماتحت
فقہیات اس حد تک مسلط تھے کہ وہ ان کے ماتحت ہی ہر جگہ قرآن کو سمجھتے تھے

یہاں وہ ان کے خلاف کس طرح سمجھتے۔ وہ اس واضح و صحیح تفسیر سے بہت گھبرائے
کہ اس تفسیر تو صرف اسی ایک آیت سے روایات و فقہیات متعلقہ مسئلہ طلاق
کا سارا قلعہ منہدم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسلئے امام رازی و علامہ زمخشری وغیرہ نے اس
کا ذکر تک نہ کیا کہ بعولتہن کی ضمیر کدھر پھرتی ہے۔ پتھر بہت بھاری تھا اس لئے
چوم کر چھوڑ دیا۔ مگر قاضی بیضاوی رح نے اس کا تو اقرار فرمایا کہ بعولتہن کی ضمیر
المطلقات کی طرف پھرتی ہے۔ مگر فرمایا کہ والضمیر اخص من المرجع یعنی
المطلقات یتربصن میں اگرچہ المطلقات عام ہے ہر مطلقہ پر تربص فرض
ہے (غیر ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا) مگر یہاں وبعولتہن کی ضمیر سے مراد ہر مطلقہ
نہیں ہے۔ بلکہ رجعی طلاق پانے والی مطلقہ مراد ہے۔ بائنہ و مغلظہ طلاق پانے
والی یہاں مراد نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں بائنہ و مغلظہ طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں
ہے۔ قرآن کے رو سے تو جو طلاق عورت کا شوہر سے طلاق پاتی ہے رجعی ہی طلاق
پاتی ہے۔ کیونکہ صاف طور سے پورے عموم کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ و
اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف
تم لوگ اپنی عورتوں کو جب طلاق دو تو جس وقت وہ اپنی عدت کے خاتمے کے
وقت تک پہونچ جائیں تم ان کو منصفانہ دستور کے مطابق روک لو یعنی اپنے
ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کر لو۔ یا ان کو آزاد کر کے رخصت کر دو۔ اس
آیت میں اذا طلقتم کا لفظ پورے عموم کے ساتھ ہر اس طلاق پر حاوی
ہے جو شوہر اپنی مرضی سے اپنی مدخولہ بیوی کو دے۔ تو پھر اس آیت کریمہ کے
سامنے بائنہ و مغلظہ اور تین طلاق پانے والی کے متعلق روایات و فقہیات
کا انبار تو بالکل ھباءً منثورا بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔

قاضی بیضاوی رح نے یہ تو لکھ دیا کہ یہاں ضمیر خاص ہے اور مرجع
عام۔ مگر یہ خلاف عقل بات ان کو خود کھٹکی۔ اس لئے اس کے بعد صرف اتنا
لکھ دیا کہ ولا امتناع فیہ یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حالانکہ بہت
بڑا مضائقہ ہے۔ امتناع ہے اور صراحۃً امتناع ہے۔ اگر امتناع نہیں ہے
تو کوئی مثال کیوں نہیں پیش فرمائی؟ ضمیر اپنے مرجع کی قائم مقام ہوتی ہے

ضمیر کو ہٹا کر مرجع کو وہاں پر رکھ سکتے ہیں۔ تو آپ وبعولتھن کی ضمیر کو ہٹا کر اس کے مرجع یعنی المطلقت کو یہاں رکھ دیجئے اور دیکھئے وبعولۃ المطلقات احق بردھن اور چونکہ مرجع میں الف لام استغراق کا ہے اس لئے یہاں بھی وہی لام رہیگا۔ یہاں آکر وہ لام عہد نہیں بن جا سکتا۔ تو اگر بقول حضرت قاضی صاحب یہاں ضمیر خاص ہے تو اسکی جگہ وہ مرجع عام آکر کس طرح سما سکتا ہے کسی ایسے کمرے میں جس میں بیس یا تیس آدمی سے زیادہ نہ بیٹھ سکتے ہوں آپ دس ہزار آدمیوں کی گنجائش کس طرح نکال سکتے ہیں؟ اس کا عکس ضرور ممکن ہے کہ ضمیر عام ہو اور مرجع خاص کیونکہ جس بڑے کمرے میں سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں وہاں آپ دس آدمیوں کو بخوبی بیٹھا سکتے ہیں۔

لیکن قاضی صاحب رحمۃ نے جو لا امتناع قیاس لکھ دیا ہے وہ بالکل غلط نہیں ہے مگر قاضی صاحب نے امتناع کی جگہ پر لا امتناع قیاس جو لکھ دیا ہے یہ غلطی کی ہے۔ مرجع عام اور ضمیر خاص بالکل ممتنع نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ہو سکتا ہے، جہاں وہ ضمیر خود ایسی ہو کہ مرجع کے انہیں بعض افراد کی طرف پھر سکتی ہو جو اس ضمیر کے اصل مرجع ہیں۔ اور اس ضمیر کے بعد مرجع کے وہ افراد جن کی طرف یہ ضمیر پھر رہی ہے۔ لفظاً مذکور ہوں۔ جیسے وان کن نساء فوق اثنتین کہ کن کی ضمیر پھر رہی ہے اولاد کی طرف۔ مگر مرجع کے مطابق ضمیر نہیں آئی مرجع کے مطابق ضمیر ہوتی تو کن کی بجائے کانت یا کانوا ہوتا۔ یہاں ضمیر خود بتا رہی ہے کہ مرجع کے بعض افراد مراد ہیں پھر مرجع کے ان افراد کو لفظاً نساء کہکر ذکر بھی کر دیا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مرجع تو عام ہو اور ضمیر بھی مرجع کے مطابق ہو وہ ضمیر نہ خود اس مرجع کے بعض افراد کی نشاندہی کر رہی ہو نہ ضمیر کے بعد کوئی ایسا لفظ مذکور ہو جس سے ضمیر کی خصوصیت معلوم ہو مگر خواہ مخواہ بلا دلیل ضمیر کو مرجع سے خاص تسلیم کر لیا جائے۔ تو یبیاون ان یبیالوا کلام اللہ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے یہاں ہی ہے۔ بہر حال ضمیر تو مرجع سے خصوصیت و عمومیت میں مختلف ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے جب خود قرآن مبین وبعولتھن کی ضمیر اور اس کے مرجع

المطلقت دونوں کو یکساں رجعی ہی طلاق والیوں کے متعلق بیان فرما رہا ہے
اور قرآن مجید نے بغیر ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا ہر طلاق کو رجعی ہی قرار دیا ہے۔

احق کے متعلق تو میں لکھ چکا۔ کہ کبھی تو یہ کہا گیا کہ یہاں احق حقیق کے معنی میں ہے۔ اسم تفضیل کی حیثیت سے آیا ہی نہیں ہے۔ مگر اسم تفضیل کے صیغے کو مفہوم افضلیت سے معرّیٰ قرار دینے کی کوئی معقول وجہ ذہن میں نہ آئی تو کہا کہ مراد یہ ہے کہ وبعولتھن احق من انفسھن طلاق دینے والے شوہر مطلقات کی واپسی کے زیادہ حقدار ہیں خود ان مطلقات سے۔ یہ صرف اس لئے کہ ان کو ثابت یہ کرنا ہے کہ یہ حکم عدت کے اندر کے لئے ہے۔ عدت کے بعد کے لئے نہیں۔ ورنہ المطلقت کے استغراقی عموم والے مرجع کی طرف وبعولتھن، کی ضمیر پھر رہی ہے۔ اور مرجع عام اور ضمیر خاص والی خلاف عقل بات کوئی تسلیم کریگا نہیں۔ المطلقت میں ان کے نزدیک تین طلاق پانے والیاں بھی داخل ہیں۔ اور روایات وفقہیات ان کے حلالہ کے بغیر اس پہلے شوہر کے پاس واپس جانے کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہدو کہ یہ آیت عدت کے اندر کے لئے ہے عدت کے بعد کے لئے نہیں۔ حالانکہ جب مرجع کو عام اور ضمیر کو خاص قرار دیکر اس آیت کے حکم کو رجعی ہی طلاق والیوں کے لئے مخصوص کر رہے ہیں تو راویوں کی خود ساختہ بائنہ اور مغلظہ اور تین طلاقیں سب تو بلا دلیل حسب تحکم مفسرین و بعولتھن کی ضمیر عام سے مستثنیٰ ہو ہی گئی ہیں۔ تو رجعی طلاق والیوں کو جس طرح عدت کے اندر امساک کر لینے یعنی رجوع کر لینے کا حق شوہر کو ہے۔ اسی طرح عدت کے بعد ان سے دوبارہ نکاح کر لینے کا حق بھی بشرط تراضی طرفین حاصل ہے۔ اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس آیت کے حکم کو مخصوص بزمانہ عدت کہا جائے۔ مگر اپنی استدلالی کمزوریوں کا علم الیقین مفسرین کو مجبور کر رہا تھا کہ ضمیر خاص اور مرجع عام بھی کہو اور یہ بھی کہو کہ یہ حکم عدت کے اندر کے لئے ہے۔ تاکہ دو کمزور باتیں باہم مل کر کچھ قوت حاصل کر لیں۔ اور جو کسی ایک سے مطمئن نہ ہو وہ دوسری بات سے شاید مطمئن ہو جائے۔

بردھن	پھر ردّ کے لفظ سے مفسرین گھبرائے۔ کہ عدت کے اندر تو مطلقہ

شوہر ہی کے گھر میں رہتی ہے۔ اور جب اس آیت کو رجعی طلاق کے لئے مخصوص کرتے ہیں تو رجعی طلاق میں نکاح بھی عدت تک باقی رہتا ہے۔ تو پھر اس واپسی کا کیا مفہوم ہوگا؟۔ تو فرمایا کہ یہاں رَدّ رجعت کے معنی میں ہے۔ رد کا لفظ یہاں مصدر مجہول ہے۔ لیکن مصدر یا فعل مجہول کا فاعل گو مذکور نہیں ہوتا ہے۔ مگر اس کا وجود تو ضرور ہوتا ہے۔ یہاں بعولتہ کو تو فاعل بنایا نہیں جاسکتا۔ اسلئے کہ رد کرنے والا شئے مردود کو اپنی طرف رد نہیں کرتا کسی دوسرے کی طرف رد کرتا ہے۔ بالفرض عورت نے کھلی ہوئی بیحیائی کی ہو اور شوہر نے طلاق دیکر گھر سے نکال دیا ہو تو اگر شوہر اسکو واپس بلائیگا۔ تو اس کو رد نہیں کہہ سکتے اس کو استرداد کہینگے۔ وبعولتهن احق بردهن کے معنی ہیں ان کے شوہر اسکے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی مطلقہ انہیں کے پاس واپس کی جائیں۔ لفظی ترجمہ یوں سمجھئے کہ ان کے شوہر ان کے رد کیے جانے کے زیادہ حقدار ہیں،، بردهن کے بعد الیهم کا لفظ محذوف ہے۔ جو قرینے سے ظاہر ہے جس سے انکار جہالت یا ہٹدھرمی ہے۔

رد کا ترجمہ جو رجعة مفسرین کرتے ہیں۔ تو آخر کس طرح؟ رجعت متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی۔ اگر لازم معنی مراد لیتے ہیں تو رد متعدی ہے اسلئے لازم رجعة متعدی رد کی تفسیر نہیں ہوسکتا۔ اور اگر متعدی رجعة مراد لیتے ہیں تو فاعل شئے مرجوع کو کسی دوسری جگہ جہاں سے وہ شئے آئی تھی بھیجیگا تب کہینگے رجعه الیه اور اگر اپنی طرف وہ کسی چیز کو واپس لائیگا۔ جو چیز اس کے پاس سے چلی گئی تھی تو اسکو استرجاع کہینگے۔ رجعته الیٰ رجع عبداللہ مرآته الیه کوئی عربی دان نہیں بولیگا۔ رجعت یا رجوع کی اصطلاح جو انکو رنے قائم کی اس کے معنی مطلقہ کو واپس لانے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے جو طلاق دیکر ارادہ قطع تعلق کا اظہار کیا تھا شوہر نے اس ارادے سے رجوع کرلی۔ البتہ اَرْجعتُہٗ الیٰ یا راجعتُہٗ الیٰ کہہ سکتے ہیں۔ مگر رجعته الی نہیں کہہ سکتے

فی ذٰلک میں لکھ چکا ہوں کہ ذلک کا مشار الیہ رد کا لفظ اس اسم اشارہ سے دو ہی لفظ پہلے موجود ہے۔ یہاں مراد فی ذلک الرد ہے۔ اور

اس کا تعلق جملہ شرطیہ سے ہے جو اس کے بعد مذکور ہے۔ یعنی ان ارادوا اصلاحاً سے ظرف مقدم افادۂ معنی حصر کے لئے آیا ہے۔ یعنی اگر اسی واپسی میں دونوں کی باہمی اصلاح کی لوگوں کو توقع ہو۔ مگر مفسرین کو یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ حکم عدت طلاق کے اندر کے لئے ہے۔ عدت کے بعد کے لئے نہیں اس لئے انہوں نے اس ذلک کا مشار الیہ پچاس لفظ اوپر شروع آیت میں جو والمطلقٰت یتربصن ہے۔ اس یتربصن کے پیٹ سے اس کے مصدر تربص کو نکال کر بنانا چاہا۔ اس غریب نے کہا کہ ہم تو مصدر ہیں فی ذلک کا مشار الیہ تو کوئی ظرف زمان یا ظرف مکان ہونا چاہیے۔ ہمیں کیوں آپ لوگ گھسیٹ کر لے آئے۔؟ تو جھٹ سے اس پر ثرمان کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر ثرمان التربص کو فی ذلک کا مشار الیہ بنا یا اور کہا کہ ای فی ثرمان التربص۔ یعنی آیت کی عبارت کا نظم یوں درست کیا وبعولتهن احق بردهن فی زمان التربص ان ارادوا اصلاحا۔

مگر افسوس! کہ اتنے بڑے بڑے ائمہ عربیت آیات کو روایات کے تابع کرنے کی دھن میں اسم ضمیر اور اسم اشارہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو بالکل نظر انداز کر گئے۔ اور آج تک مجھ سے پہلے کسی نے ائمہ مفسرین کی ایسی فاحش مساحت کو مطلق محسوس نہ کیا۔ نہ شناسید کس انداز قدش پیش از ین۔

اسم ضمیر اپنے مرجع کا نائب ہوتا ہے ضمیر کو ہٹا ہی کر آپ مرجع کو رکھینگے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ضمیر بھی رہے اور مرجع بھی۔ قل ھو اللہ احد سے کوئی صاحب دھوکا نہ کھائیں اللہ کا لفظ ھو اسم ضمیر کا مرجع نہیں ہے۔ مرجع ضمیر کے بعد نہیں آتا۔ ھو یہاں ضمیر شان یا ضمیر عماد ہے۔ جو یہاں کاف بیانیہ کے مفہوم میں آیا ہے۔ ورنہ ضمیر کبھی اپنے مرجع کے بعد نہیں آسکتی۔ اور نہ اپنے مرجع کے ساتھ آسکتی۔

اور اسم اشارہ اپنے مشار الیہ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر وہاں پر مشار الیہ کا ذکر کر دیا جائے تو اسم اشارہ موجود رہیگا۔ اسی لئے اکثر اپنے مشار الیہ کے ساتھ اسم اشارہ آتا ہے جیسے ذلک الکتٰب۔ تو مفسرین نے جو فی ذلک کی تفسیر ای فی ثرمان التربص لکھدی تو کیا وہ ذلک کو اسم ضمیر سمجھے؟ کہ اسم اشارہ کو غائب کر کے اسکی جگہ اس کے مرجع کو رکھدیا؟

اگر فیہ ہوتا تو بے شک اسکی تفسیر ای فی زمان التربص ہو سکتی تھی۔ یہاں فی ذلک ہے۔ اگر آپ زمان التربص کو مشار الیہ بتاتے ہیں۔ تو اسم اشارہ کو حذف کر دینے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔ اسم اشارہ کو اس کی جگہ پر باقی رکھتے ہوئے اس کے بعد اس کے مشار الیہ کو رکھئے۔ اور کہیے ای فی ذلک زمان التربص اسکے بعد ہر عربی دان اپنی دیانت سے کہے کہ یہ عبارت کیا صحیح ہو سکتی ہے؟ ہاں صحیح ہوتی اگر ایک ہی مطلقہ کے زمان التربص متعدد ہوتے اور کسی خاص "زمان التربص" کو معین کرنا مقصود ہوتا تو فی ذلک زمان التربص کہنا ضرور صحیح ہوتا۔ مگر مطلقات کے تربص کا صرف ایک ہی زمانہ ثلثۃ قروء ہوتا ہے۔ اور اگر وہ غیر حائضہ ہو تو اسکے لئے ایک ہی زمانہ تربص تین مہینوں کا ہوگا۔ اور اگر حاملہ ہو تو اس کے لئے ایک ہی زمانہ تربص وضع حمل تک کا ہوگا۔ ایک مطلقہ کے لئے کئی زمان التربص نہیں ہوتا۔ تو پھر اس متعین کو متعین کرنے کے کیا معنی؟

ے۸ ے۹ ے۸ ے۹ یہ چار حواشی اسی حاشیہ ے۸ کے ضمن میں بیان ہو چکے۔

ے۱۰ ے۱۱ ے۱۲ قولہ تعالےٰ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف۔ میں نے سابق حاشیہ میں لکھا ہے کہ ضمیر خاص ہوا اور مرجع عام ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ یہاں اس کا عکس جائز ہے یعنی لھن کی ضمیر عام ہے۔ ساری عورتیں اس ضمیر میں داخل ہیں مگر یہ عام ضمیر پھر رہی ہے المطلقات کی طرف گو پھر بھی یہاں صرف مطلقات ہی مراد نہیں ہیں، عام عورتیں مراد ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی ہے وللرجال علیھن درجۃ۔ اگر صرف مطلقات مراد ہوتیں تو وللبعولۃ فرمایا جاتا للرجال نہیں فرمایا جاتا۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق میں یکسانیت نہیں بتائی گئی ہے خود آپ دو چیزوں میں اکثر مماثلت بیان کرتے ہونگے اور وہ مماثلت ان دونوں میں بعض ہی باتوں میں ہوتی ہوگی۔ ہر بات میں کبھی نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں دونوں کے حقوق میں صرف ذمہ داری کی مماثلت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں دونوں سے باہمی حقوق کے متعلق بازپرس ہوگی۔ جس طرح مردوں سے بازپرس ہوگی۔ اسی طرح عورتوں

سے بھی - ورنہ ہر ایک کا حق دوسرے پر ایک دوسرے سے مختلف ہے -
الا ما شاء اللہ - اسی لئے بالمعروف کی قید لگا دی کہ منصفانہ دستور کے
مطابق دونوں کے حقوق ہیں -

البتہ یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے ضرور عام ہے مگر مورد اس کا خاص
مسائل طلاق کے سلسلے میں ہے - اس لئے اس مورد خصوصی کو خصوصیت
کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے - بالخصوص اس لئے کہ یہ آیت ایک مرکزی حیثیت
رکھتی ہے بعض آئندہ آیات کے مضامین کے لئے -

قرآن حکیم کا منشا یہ ہے کہ رشتہ نکاح مقولہ اضافت سے ہے زن وشو کے
درمیان جتنے الوسع زندگی بھر نباہنے کا میثاق اور زبردست میثاق ہوتا ہے
لیکن کبھی ایک کو دوسرے سے یا دونوں کو ایک دوسرے سے ناموافقت طبائع
کے باعث قلبی اذیتیں پہونچنے لگتی ہیں - اور دونوں ایک دوسرے سے یا صرف
ایک ہی دوسرے سے جدائی کا خواستگار ہو جاتا ہے - تو اگر شوہر جدائی کا خواستگا
ہو تو اس کے لئے طلاق کی کھلی ہوئی راہ موجود ہے - مگر اگر عورت ہی جدائی کی
خواستگار ہو تو وہ غریب کیا کرے ؟ اسکو تو شوہر کی طرح یہ حق حاصل نہیں
کہ وہ بھی شوہر کو طلاق دیدے جب چاہے - تو فرمایا کہ للرجال علیہن درجہ
تو ضرور ہے کیونکہ اس نے اپنے ذمے مہر کی ایک معقول رقم لے کر اس رشتے کو قبول
کیا ہے - پھر زندگی بھر نان ذلفقہ کا بار بھی اپنے سر پر رکھتا ہے - اسلئے اسی کو یہ
حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو بیوی کو طلاق دیدے اس میں مالی گھاٹا اسی
کا ہے زر مہر اس نے ادا کر کے جو کچھ پہلے بیوی کو دے چکا ہے از قسم زیورات
و ملبوسات وغیرہ ان سب کے ساتھ عدت کے بعد اپنی مطلقہ کو رخصت
کرتا ہوگا - حسن سلوک اور حسن اخلاق کے ساتھ -

اگر عورت کو بھی مردوں کی طرح طلاق کا حق دیدیا جاتا - تو وہ زر مہر
وصول کر کے اور زیورات و ملبوسات لیکر شوہر کو طلاق دیکر اپنے والدین
کے گھر بھاگ جاتیں - اور خدا جانے اس طرح کتنے شوہروں کا سر عدالت
سر موڈ لیتی [illegible] - اور کتنے والدین اپنی بیٹیوں کے ذریعے ڈاکا ڈالا کرتے -

اس لئے عورت کو یہ حق تو نہ دیا گیا کہ وہ بھی جب چاہے شوہر کو طلاق دیدے
مگر شوہر سے طلاق لینے کا حق دیا گیا۔ اگر شوہر طلاق نہ دے تو وہ ایک حکم اپنی
طرف سے ایک حکم شوہر کی طرف سے کھڑا کرکے ان حکموں کے ذریعے۔ ورنہ حکام وقت
کے ذریعے شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے اور اس سے طلاق لے سکتی ہے۔
عورت کے مطالبہ طلاق کو استطلاق کہنا چاہیے۔ مگر روایات میں اور روایات
کے تحت فقہیات میں اس کا نام خُلع رکھدیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مفہوم کے اعتبار سے
خلع کوئی قرآنی اصطلاح نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس مسئلے میں قرآنی اصطلاحوں
کو ترک کرکے دوسری دوسری اصطلاحیں قائم کرلی گئی ہیں۔ اور ان اصطلاحوں کی
تبدیل سے قرآنی منشا بھی کسی قدر بعض جگہ باقی نہیں رہا ہے۔ مثلاً امساک کا
مفہوم قرآنی یہ ہے کہ بیوی کو اپنی زوجیت میں روک لینا۔ اسکی جگہ پر رجعت
اور رجوع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ رشتہ نکاح منقطع کرکے بیوی کو اپنی
زوجیت سے آزاد کرکے اپنے گھر سے اسکو رخصت کر دینے کو قرآن مبین نے
تسریح کہا ہے۔ بعض طلاقیں جیسے غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاقیں تسریحی
ہوتی ہیں کہ طلاق دیتے ہی رشتہ کٹ جاتا ہے اور طلاق دینے کے بعد اسی
دن اسکو گھر سے رخصت کر دینا لازم ہے۔ مگر تسریحی طلاق کو یہ لوگ بائنہ
کہتے ہیں تسریحی نہیں کہتے۔ اسکے بعد اپنی غیر قرآنی بدلی اصطلاحوں کے مطابق
مفہوم نکال کر مسائل استنباط کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک فقیہ کا قول ہے
کہ جبتک خلع کا لفظ استعمال نہ ہوگا۔ اس وقت تک خلع کا حکم عائد نہ ہوگا
اگر عورت نے خلع کا نہیں بلکہ طلاق کا مطالبہ کیا ہے اور شوہر نے طلاق دیدی
خلع نہیں کہا۔ تو خلع کا حکم عائد نہ ہوگا۔ طلاق کا حکم عائد ہوگا۔ یہ غایت
روایت پرستی ہے۔

۳۱ے واللہ عزیز حکیم۔ یہ جملہ زن و مرد دونوں کی تسلی اور
دونوں کی تنبیہ کے لئے فرمایا گیا ہے یعنی مرد کی تنبیہ اور عورت کی تسلی کیلئے
مرد کو جو اللہ نے ایک درجہ فضیلت دیا ہے اور ظاہری قوت اور غلبہ
بھی تو وہ اپنی قوت اور اپنے غلبے کا غلط استعمال نہ کرے

یاد رکھ اے آسماں تجھ پر بھی ہے ایک آسماں

ہر غالب کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالے سب پر غالب ہے۔ اس سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔

اور عورتوں کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالے کی خالقانہ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ ہر چیز کو جوڑا پیدا کرے۔ ہر جانور میں اس نے نر و مادہ پیدا کیا ہے۔ اور نر کو قوی بنایا مادہ کو نازک اسی طرح انسانوں میں بھی۔ جس کو اس نے مرد بنایا اور جس کو اس نے عورت بنایا اپنی خالقانہ مصلحت اندیشی کے مطابق ہی بنایا ہے۔ یہ کوئی ظلم نہیں ہے کہ ایک کو عورت کمزور و نازک بنایا اور دوسرے کو مرد قوی و توانا۔ یہ عین مقتضائے حکمت ہے۔

۴۱ و ۴۲ قولہ تعالے الطلاق مرتٰن ط " الطلاق " پر لام عہد کا ہے اس کا معہود وہی طلاق ہے جس کی مطلقات پر ثلاثۃ قروءٍ کا تربص فرض کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں عام مخصوص منہ البعض کی حیثیت سے المطلقٰت کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح یہاں الطلاق کا لفظ بھی عام مخصوص منہ البعض ہوگا۔ اور دونوں جگہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ مستثنٰی ہیں۔ کیونکہ اسی طلاق کے متعلق فرمایا جا رہا ہے جس کی مطلقات پر ثلٰثۃ قروءٍ کا تربص فرض ہے۔ اور اگر لام استغراق لیجیئے جب بھی عام مخصوص منہ البعض ہی ہوگا اور غیر ممسوسہ و مختلعہ دونوں اس عموم سے مستثنٰی ہونگی۔ مآل ایک ہی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ الف لام عہد کا تو ہے مگر اس کا معہود طلاق رجعی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فامساکٌ موجود ہے اور شوہر کو امساک کرنے کا حق رجعی ہی طلاق میں ہوتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک تو والمطلقٰت یتربصن میں استغراق کی وجہ سے ان کی خارج از قرآن روایات والی بائنہ و مغلظہ سب طلاقیں داخل ہیں اور باوجود بینونت تامہ و تغلظ کے بھی مطلقہ بائنہ و مبتوتہ و مغلظہ کو عدت کرنی ہی پڑیگی۔ اس لئے اگر یہاں طلاق میں لام عہد ہے تو اس کا معہود اس المطلقٰت والیوں کی طلاق تو ہو نہیں سکتی۔ تو پھر معہود کون اور کہاں ہوگا؟ وہ طلاق رجعی ہوگی جو پیچھے فامساک

کے پیٹ میں چھپی ہوئی ہے۔ یعنی معہود عہد سے پیچھے فامساک کی آڑ میں چھپا ہوا ہے۔ تو یہ نہ عہد ذہنی ہوا نہ عہد خارجی بلکہ عہد رافضی ہوا کیونکہ آگے سے بھاگ کر پیچھے ایک لفظ کی آڑ میں چھپا بیٹھا ہے۔

حالانکہ والمطلقٰت ہی میں طلاق رجعی مراد ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاقوں کے سوا ہر طلاق قرآن مجید کے رو سے امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے۔ اور عدت رجعی ہی طلاق پانے والیوں پر فرض ہے۔

استدلال کی توضیح مزید

المطلقٰت یتربصن میں لام استغراق ہے الطلاق مرّتٰن پر لام استغراق ہے لام عہد بھی کہیئے تو چونکہ اس کے معہود پر لام استغراق ہے اس لئے یہاں بھی معہود کا استغراق عہد کو مستغرق کیے ہوئے ہے۔ اس عہد و معہود کا رشتۂ قوی جو الطلاق اور المطلقٰت والی طلاقوں کے درمیان ہے اپنے مفہوم استغراق کے ذریعے یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا ہر طلاق کے بعد اسکی مطلقہ پر ثلٰثۃ قروء کا تربص فرض ہے، اور ہر وہ طلاق جس کی مطلقہ پر یہ تربص فرض ہے دو بار تک ہو سکتی ہے اور شوہر کو دوسری طلاق کے بعد بھی امساک یعنی رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ جسکی تائید پھر اسی طرح کو مفہوم استغراق کے ساتھ اسی سلسلے کی آیت ۲۳۱ کر رہی ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف اذا حرف شرط ہے مگر اذا میں ظرف زمان کا مفہوم بھی ہے۔ اور شرط و جزا میں بھی استغراق ہی جیسا مفہوم پنہاں رہتا ہے۔ یعنی وقوع شرط کے بعد وقوع جزا ضروری ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وقوع شرط ہو اور وقوع جزا نہ ہو۔ یہاں شرط طلاق کے بعد بلوغ اجل ہے۔ اور جزا عطف تردیدی کے ساتھ دو باتوں میں سے ایک کا حکم ہے طلاق کے بعد بلوغ اجل ہو تو اب شوہر یا امساک کرلے یا تسریح کردے دونوں سے ایک کام کرنا اس پر فرض ہے۔ اسلئے غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیگا اسکو بلوغ اجل یعنی عدت کے آخری لمحے تک اس آیت کے رو سے امساک یعنی رجوع کرلینے کا حق باقی رہیگا۔

یہ کتنا بڑا ظلم صریح ہے کہ قرآن مجید کی تین تین آیتیں صراحۃً فرما رہی ہے کہ ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا شوہر اپنی جس بیوی کو بھی طلاق دیگا، جیسی طلاق بھی دیگا جب بھی دیگا، جس طرح اور جتنی بار بھی دیگا تو وہ طلاق رجعی ہی ہو گی اور اس کے بعد شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کا حق رہیگا۔ مگر ہمارے فقہاء مخالف قرآن روایات کا اتباع کرتے ہوئے، بائنہ و مبتوتہ و مغلظ طلاقیں ایجاد کر کے اور پھر تین طلاق کا رواج قائم کر کے شوہروں کو قرآن مجید کے بخشے ہوئے حق رجوع سے مخالف قرآن مجید فتوے کے ذریعے محروم کر رہے ہیں۔ اور یفرقون بہ بین المرء وزوجہ کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

۵لہ مرّتٰن دو مرتبے۔ کسی کام کی گنتی مقرر کر دی جاتی ہے اسی لئے کہ وہ کام اس سے کم مرتبہ نہ ہو یا یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ مرتبے نہ ہو۔ یا کمی و زیادتی دونوں کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ایام رضاعت حولین کاملین جو بتائے گئے ہیں۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ دو برس سے کم مدت میں دودھ بڑھائی نہ ہو۔ دو برس سے کم میں دودھ چھڑا دیا جا سکتا ہے۔ مگر دو برس سے زیادہ مدت تک نہیں پلانا چاہیئے۔

عـہ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ مطلقات کے ذکر میں فرمایا گیا ہے سورہ بقرہ ہی میں آیت ۲۳۳ یعنی زیر بحث آیات کی ایک ہی آیت کے بعد کہ اولاد والی مطلقہ اپنے بچوں کو دودھ پورے دو برس پلائیں اگر بچوں کا باپ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلانے کا کام جاری رہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پورے دو برس تک مرضعہ بچے کو دودھ پلا سکتی ہے اور سورہ احقاف میں ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا۔ زمانہ حمل و زمانہ رضاعت تیس ۳۰ مہینے یہاں مذکور ہیں۔ یعنی اوسط حساب بتایا گیا ہے۔ اور سورہ لقمان میں ہے وفصالہ فی عامین۔ بچے کی دودھ بڑھائی دو برس میں ہے یہاں دو برس کے اندر کا مفہوم ادا کر دیا۔ اور سورہ احقاف میں ایک خاص بزرگ کا واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے اس لئے ممکن ہے کہ وہاں الانسان میں الف لام عہد ذہنی کا ہو اور ان بزرگ کی مدت حمل و مدت رضاعت تیس ۳۰ ہی مہینے ہوں وہ پوری آیت چسپاں ہوتی ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر۔ ان کے سوا اور کسی صحابی پر چسپاں نہیں ہوتی۔ چالیس برس کی عمر میں جس صحابی کے والدین مسلمین زندہ ہوں اور اولاد بھی مسلم بالغ موجود وہی تھے ۱۲ رضی اللہ عنہم

اور بعض معاملات میں دو گواہوں کی شرط بتائی گئی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ دو سے کم گواہ نہ ہوں دو سے زیادہ جتنے بھی ہوں بہتر ہے۔ اور زانی کی سزا سو درّے بتائی گئی ہے مگر نہ اس سے کمی کا کسی کو اختیار ہے نہ بیشی کا۔ یہاں ہر شخص کہکر کمی بیشی دونوں کا انکار ہوا ایسا کسی نے نہیں کہا۔ ایک ہی بار ایک ہی طلاق دے کر عدت پوری کرا دینا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے ہر شخص کے نزدیک اسلئے یہاں یقیناً دو سے زیادت ہی کی نفی مقصود ہے۔ اگر گنتی مقرر کرنے سے نہ کمی کی نفی مقصود ہو نہ زیادت کی تو پھر گنتی مقرر ہی کس لیئے کی گئی۔ اللہ تعالےٰ کا کوئی کام لغو و مہمل نہیں ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیویوں کو عموماً تین ہی طلاق دیا کرتے تھے اور جب چاہتے تھے دیدیتے تھے۔ اور کبھی تین سے بھی زیادہ دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار طلاقیں کہکر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے دو مرتبے کی حد بندی کر کے دو مرتبے سے زیادہ طلاق کے رواج کو منسوخ فرما دیا۔

قرآنی اصلاح

قرآن مجید نے جہاں طلاق کی بعض دوسری قسمیں جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھیں ظہار و ایلا وغیرہ میں سے کسی کو بھی طلاق نہیں قرار دیا پہلی بار ظہار کو بیہودہ بات قرار دیکر شوہر کو توبہ کرنے کی طرف اشارہ کیا وعدہ مغفرت کر کے۔ وعدۂ مغفرت کے معنی ہی یہ ہیں کہ مجرم مغفرت کا طالب ہو اور اپنے فعل پر نادم ہو اور پھر ایسا نہ کرنے کا عہد کرے دوبارہ ظہار کرنے پر کفارہ بتایا کہ کفارہ ادا کر کے بیوی کے پاس چلے جاؤ۔ ایلا میں چار ماہ تک علیحدہ رہ کر بیوی کے پاس جانے کی اجازت دی گئی کسی کو بھی طلاق نہیں قرار دیا گیا۔ خود شوہر اسکے بعد طلاق کا عزم ظاہر کرے یہ اور بات ہے۔

تین طلاق کے رواج کو بھی منسوخ کر کے اسکی حد بندی کر دی کہ دو مرتبے سے زیادہ کوئی طلاق نہ دے اور طلاق کے مفہوم کو بھی بدل دیا کہ شوہر اپنی مرضی سے اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق دے تو وہ زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق موجب فسخ نکاح نہ ہوگی بلکہ صرف ارادۂ فسخ نکاح کا اظہار ہوگی۔ نکاح باقی رہیگا۔ شوہر کو مہلت دی جائیگی کہ وہ اپنے ارادۂ فسخ نکاح پر بار بار غور کرے۔ اور مناسب سمجھے تو اپنے اس ارادے سے باز آجائے۔ عورت کو اسکے لیے تین مہینے تک

انتظار کے لئے حکم ہوا کہ وہ اس مدت تک شوہر کے آخری فیصلے کا انتظار کرے شوہر کو
عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی بیوی کو اپنی زوجیت میں روک رکھنے کا اور
ارادۂ فسخ نکاح سے رجوع کر لینے کا حق دیا۔ اور طلاق دینے کا بھی وقت مقرر
کر دیا کہ پہلے ایک پورے طہر کو مجامعت سے خالی رکھے، اس کے بعد جو حیض اس
عورت کو آئے اور اس حیض سے بھی جب عورت پاک ہو لے تب اسکو طلاق دے۔
طلاق دینے میں یہ اہتمام اسی لئے ضروری قرار دیا گیا کہ شوہر طلاق دے تو وقتی
غصے کے ہیجان میں طلاق نہ دے بلکہ سوچ سمجھکر طلاق دے۔ اور پھر طلاق
کے اعلان کے بعد بھی کچھ مدت تک سوچتا سمجھتا رہے۔ عورت کو بھی اس درمیان
میں کافی موقع دیا گیا کہ وہ شوہر کی شکایتیں رفع کرنے کی اور اسکو اپنے سے
راضی کرنے کی پوری کوشش اس درمیان میں کرے۔ طلاق کے بعد جب عورت
تین حیض کی مدت پوری کر لیگی تب نکاح ٹوٹیگا۔ جس طرح نکاح سوچ سمجھکر ہوا
کرتا ہے۔ اسی طرح طلاق کو بھی سوچ سمجھ ہی کر ہونا چاہیئے۔ بے سوچے سمجھے
غصے میں ایک لفظ تین بار منہ سے نکل جائے اور رشتہ نکاح جسکو میثاق غلیظ
قرآن مجید میں کہا گیا ہے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے؟ باوجود اسکے کہ نہ شوہر اس
بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہے نہ وہ عورت اس شوہر سے علیٰحدگی کی خواہشمند ہے
شوہر کہہ رہا ہے کہ محض غصے میں منہ سے تین بار طلاق کا لفظ نکل گیا ہے، اپنی بیوی
کو طلاق دینا نہیں چاہتا ہوں، بیوی الگ رو رہی ہے شوہر الگ سر پیٹ رہا ہے
مگر مفتی صاحب کا تفریق بین الزوجین والے فتوے کا خنجر دونوں کے رشتہ
میثاق غلیظ کو تار عنکبوت بنا کر ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ کیا یہ قرآن وسنت کے
منشا کے مطابق کبھی ہو سکتا ہے۔ جس اللہ تعالےٰ نے یرید اللہ بکم
الیسر ولا یرید بکم العسر۔ فرمایا ہے۔ جس رسول نے ہمیشہ صحابہؓ
کو تاکید فرمائی کہ یسروا ولا تعسروا کیا اس طرح کی تفریق بین الزوجین کو روا
رکھ سکتے تھے؟ کیا قرآن کی صریح آیتوں کے خلاف کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین اور کسی صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین نے
بھی فتویٰ دیا ہوگا؟ مگر اولاد وانستہ یا سوالی قسم کے کوفی و بصری عجمی الاصل

منافقین کی من گھڑت حدیثوں کے ماتحت جو کچھ نہ ہو۔

مرّتان کے معنی اثنان یا طلاقان کے نہیں ہیں۔ کہ اگر منہ سے لگاتار طلاق طلاق کہدی تو دو طلاقیں ہو گئیں۔ مرّۃ کے معنی "باری" کے ہیں یعنی دو بار دو مرتبہ۔ جس طرح جن شرائط کے ساتھ پہلی طلاق دی گئی ہے اسی طرح انہیں شرائط کے ساتھ دوسری بار طلاق دی جائے یعنی ایک ایسے حیض کے بعد جس سے پہلے طہر میں شوہر نے اس مطلقہ سے مجامعت نہیں کی ہے اس حیض کے بعد اسکو جس طرح پہلی طلاق دی تھی اسی طرح دوسری طلاق دوسرے حیض کے بعد دی جائے اور ان دونوں حیضوں کے درمیان یقیناً شوہر نے مجامعت نہ کی ہوگی۔ اس لئے کہ مجامعت تو کجا اگر بوس وکنار بھی کر لیا ہے۔ اگر اسکو ہاتھ پکڑکر اپنی گود میں بھی پیار سے بٹھا لیا ہے۔ تو اس نے امساک کر لیا۔ اس لئے پہلی طلاق باطل ہو گئی کیونکہ طلاق کے بعد امساک فسخ نکاح کے بعد تجدید نکاح نہیں ہے۔ بلکہ صرف ارادۂ فسخ نکاح کے اظہار کے بعد اس ارادے سے رجوع ہے۔ گناہ کر کے توبہ کر لینا اور بات ہے۔ اور کسی گناہ کا صرف ارادہ ظاہر کر کے اس ارادے سے رجوع کر لینا اور بات۔ اس لئے امساک کے بعد اگر شوہر پھر طلاق دینا چاہیگا تو اگر امساک صرف زبانی اس نے کیا ہے۔ یا فقط بوس وکنار کیا ہے مجامعت نہیں کی ہے تو وہ طلاق دے سکتا ہے۔ مگر یہ اب اس کی پہلی طلاق ہوگی، پہلی طلاق امساک کے سبب باطل ہو چکی۔ اور اب عدت کا حساب اسی طلاق سے نئے سر سے شروع ہوگا۔ امساک کے بعد پہلی طلاق جب باطل ہو گئی تو اس کے بعد سے جو عدت شروع ہوئی تھی وہ بھی اس امساک کے باعث ختم ہو گئی تھی۔ یہ سمجھنا کہ امساک کے بعد جب کبھی شوہر دوبارہ طلاق دیگا تو وہ دوسری طلاق ہوگی۔ اور پہلی طلاق کا حساب باقی رہیگا بالکل غلط ہے اگر پہلی طلاق کا حساب امساک کے بعد بھی باقی رہیگا تو عدت کا حساب بھی جو پہلی طلاق سے شروع ہوا تھا، اس کو بھی امساک کے بعد باقی رہنا چاہئے۔ یہ بھی متشددانہ تفقہ

ہے کہ امساک کے بعد اگرچہ طلاق باقی نہ رہی مگر اس کا شمار معلق باقی رہیگا۔ اگر پندرہ بیس برس کے بعد بھی پھر کبھی ایک طلاق دیدی تو یہ دوسری طلاق ہوگی۔ یہ پیش بندی ہے تین طلاقوں کے نظریہ کی۔ کہ کسی طرح بھی ایک شوہر اپنی عورت کو تین بار طلاق دیدیگا۔ تو پھر وہ بغیر حلالہ کے اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیگی۔ تو جبتک ازراہ پیش بندی پہلی ہی بار کے بعد امساک کے موقع پر قبل امساک والی طلاق کا شمار باقی نہ رکھا جائے تو اگر شوہر نے دوسری طلاق کے بعد بھی امساک کر لیا اور پھر طلاق دیدی چاہے بیس برس کے بعد ہی سہی تو تین طلاقوں کی گنتی جوڑ کر اس عورت کو شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس لئے امساک کے بعد ازراہ تشدد وجذبہ تفریق بین الزوجین فقہاء نے امساک کے بعد پھر پہلی طلاق کا شمار باقی رکھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس چیز کا اثر باقی نہ رہے جس طلاق کی عدت تک ختم ہو جائے اس کا شمار باقی رہے۔

ہاں اگر مرتین سے زیادہ طلاق دینے پر کوئی وعید ہوتی کوئی سزا بتائی جاتی۔ یا کفارہ بتایا جاتا تو ایسا اجتہاد صحیح ہوتا۔ یا جیسا نظریہ فقہاء نے روایات کی بنا پر قائم کر رکھا ہے کہ دو طلاقوں تک تو طلاق رجعی رہیگی۔ اگر تیسری طلاق دیدیگا۔ تو ہمیشہ کے لئے شوہر پر حرام ہو جائیگی۔ اگر یہ نظریہ کسی قرآنی آیت سے بھی واقعۃً ثابت ہوتا۔ جب بھی یہ تشدد کھپ سکتا چنانچہ روایات کا آیات کو تابع کرتے ہوئے مفسرین نے فان طلقها جو خلع کرنے والے اور خلع کرانے والی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ اس کو اس "مرتن" سے خلاف اصول ادب عربی غلط طریقے سے جوڑ کر اس کے بعد اپنی طرف سے تفسیر میں طلقة ثالثة کا لفظ بڑھا کر تیسری طلاق کا مفہوم زبردستی نکالتے ہیں۔ حالانکہ اگر واقعی فان طلقها سے تیسری طلاق مراد ہوتی اور اس فاء تعقیب کا عطف الطلاق مرتن پر ہوتا تو فان طلقها کبھی نہ کہا جاتا۔ جس طرح ہر جگہ طلاق دینے والوں کو

بصیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب فرمایا گیا جیسے ولا یحل لکم وغیرہ میں اسی طرح بیان بھی فان طلقتموھن فرمایا جاتا۔ اور اسکے بعد ثالثًا کا لفظ ضرور فرمایا جاتا یا طلقۃً ثالثۃً صاف طور سے کہا جاتا۔ یہ جگہ مفعول مطلق کے حذف کی ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ فان طلقتموھن کہنے سے وہی دوبار طلاقوں کا دینا سمجھا جاتا نہ کبھی تیسری بار طلاق دینا نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسلئے لفظًا طلقۃ ثالثۃ آیت میں موجود ہونا ضروری تھا۔ نہ یہ کہ مفسرین اپنی طرف سے اضافہ کریں۔

دوسری طلاق کا مقصد

دوسری طلاق کوئی مستقل طلاق نہیں۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کو مؤکداً بسختی ثابت کرنے کے لئے کم سے کم تین طلاقیں تو ضرور دیتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیا کرتے تھے۔ جس کا اس کے سوا ان کا کچھ مقصود نہیں ہوتا تھا کہ اپنی طلاق کی شدت اور غایت شدت اپنی مطلقہ پر ثابت کریں اور بس۔ ورنہ وہ تو طلاق بمعنی فسخ نکاح سمجھتے ہی تھے اب وہ شدت کے ساتھ فسخ ہو یا نرمی کے ساتھ نتیجہ ایک ہی ہے۔ تاکید و توثیق و شدت کا اظہار محض بیکار ہوتا تھا۔ یہ بھی ان کی ایک جاہلانہ حرکت ہوتی تھی۔

قرآن مجید نے بتا دیا کہ ایک بار طلاق دیکر اپنا ارادہ فسخ نکاح بیوی پر ظاہر کر دو۔ اس کے بعد وہ پورا طہر گذریگا پھر حیض آئیگا جو بعد طلاق کا پہلا حیض ہوگا۔ تقریبًا ایک ماہ کی مدت میں عورت پر اس اعلان ارادہ فسخ نکاح کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہونا چاہئے۔ وہ مصالحت کی کوشش ضرور کریگی۔ اگر وہ اس مدت میں کوئی کوشش مصالحت کی نہ کرے اور بے پروائی برتے۔ تو بعد طلاق کے پہلے حیض کے بعد پھر ایک طلاق دیدے۔ یعنی دوبارہ اپنے ارادۂ فسخ نکاح سے اس کو مطلع کر دے۔ اس کے بعد دوسرے حیض اور تیسرے حیض تک تو وہ عورت نتیجہ علیحدگی پر غور کریگی اپنی بے پروائی و سرکشی و نافرمانی پر نادم ہوگی۔ اگر نادم نہ ہو تو تیسرے حیض کے بعد اسکو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دے۔ یہ تسریح باحسان کی تعمیل ہوگی۔ اور اگر شوہر خود عدت کے درمیان اپنے فیصلے کی غلطی محسوس کرلے تو وہ عدت کے آخری لمحے تک امساک

کر سکتا ہے۔

۲۲۸ و کلہ قولہ تعالےٰ " فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ "

امساک "کے معنی ہیں روک لینا۔ روک رکھنا۔ جاتے ہوئے کو روک لینا۔ جانے والے کو روک رکھنا۔

شوہر بیوی کو طلاق دے کر اپنے ارادۂ فسخ نکاح سے مطلع کر رہا ہے۔ گویا اس کو کہہ رہا ہے کہ تم اب عدت گذار کر میرے گھر سے رخصت ہو جاؤ۔ تم عدت پوری کر لو تو میں تم کو اپنے سے علیحدہ کر دونگا اور اپنے نکاح کے قید و بند سے آزاد کر کے تمہیں تمہارے اولیا کے پاس رخصت کر دونگا۔ مگر چونکہ عدت کے آخری لمحے تک زن و شوہر کے درمیان رشتۂ نکاح باقی رہتا ہے اسلئے عدت کے آخری لمحے تک شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے ارادۂ فسخ نکاح سے رجوع کرلے۔ اور بیوی کو اپنی زوجیت میں روک رکھے۔ اپنی زوجیت سے باہر نکلنے نہ دے۔ اور اس کو رخصت نہ کرے۔

جس طرح طلاق دینے میں شوہر بیوی سے استمزاج کا پابند نہیں ہے کہ بیوی اگر طلاق پر راضی ہو جبھی طلاق دے۔ اسی طرح امساک میں بھی وہ بیوی کی رضامندی حاصل کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ عدت کے اندر تو نکاح باقی ہی ہے۔ امساک نام تجدید نکاح کا نہیں ہے کہ جب تک عورت و مرد دونوں راضی نہ ہوں نکاح نہیں ہو سکتا۔ پہلا نکاح تو عدت تک باقی ہی ہے۔ شوہر شوہر ہے اور بیوی بیوی۔ شوہر نے جس طرح اپنی مرضی سے فسخ نکاح کا ارادہ بیوی پر ظاہر کیا تھا۔ اسی طرح وہ اپنی مرضی سے اپنا وہ ارادہ بھی فسخ کر دے سکتا ہے۔ اس میں اس کو بیوی سے استمزاج کی کوئی ضرورت نہیں۔

شوہر کو حکم ہے لا تخرجوھن من بیوتھن۔ عدت کے اندر مطلقہ کو ان کے گھر سے نہ نکالو۔ یعنی ابھی شوہر کا گھر ان کا گھر باقی ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھا۔ مطلقہ کو بھی حکم ہے ولا یخرجن وہ شوہر کے گھر سے نہ نکلیں ابھی اس گھر پر ان کا وہی حق باقی ہے جو طلاق سے پہلے تھا۔ اور اسی لئے شوہر پر مطلقہ کا نان و نفقہ واجب الادا ہے۔ کیونکہ رشتۂ نکاح باقی ہے۔

تو جب رشتہ نکاح باقی ہے بیوی بھی اسکی زوجیت میں اسی طرح ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھی تو اگر شوہر اپنے تعلقات قائم کرے تو اس میں کیا دشواری ہے کسی نے اپنے مکان کو توڑ کر مسمار کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر بعد کو اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔ صرف ایک ارادہ ظاہر کرنا اور پھر اس ارادے کے فسخ کو ظاہر کر دینا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ امساک میں تجدید نکاح کی شرط نہایت عدم تدبّر اور کمزوری فکر بلکہ لفظ امساک کے معنی کے نہ سمجھنے کی دلیل ہے اور قرآن فہمی کا منہ چڑانا ہے۔

اور تسریح احسان تسریح کے معنی اہل لغت طلاق لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ تسریح کے معنی طلاق کے سلسلے میں فسخ نکاح کے بعد عورت کو اپنے گھر سے رخصت کر دینا ہیں۔ چاہے ایک ہی طلاق کے بعد عدت گذر جائے چاہے دو طلاق کے بعد۔ مگر تیسری طلاق پر ایمان رکھنے والوں کو جب پورے قرآن مجید میں کہیں تیسری طلاق کا حکم یا اس کی اجازت بھی نہ ملی۔ تو انہوں تسریح ہی کو طلاق کے معنی میں لے کر تسریح کو تیسری طلاق قرار دیدی۔ اہل لغت نے فقہاء کے اس قول کو دیکھکر تسریح کو طلاق کے معنی میں لکھ ڈالا۔ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند۔

یہاں تک کہ میرے ایک برادر عزیز جو علم و فضل میں بہت بلند پایہ رکھتے ہیں اور میں اُن کا ذکر اکثر افتخاراً کرتا ہوں کہ میرے خاندان میں بفضلہ تعالےٰ ایک ایسا فاضل اجل موجود ہے۔ مگر افسوس کہ وہ تقلید میں بھی بہت سخت قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ مسئلہ طلاق پر میرے ان کے درمیان کچھ مراسلات رہے ہیں۔ میرے اس سوال پر کہ اگر کوئی شخص ایک یا دو طلاق دے کر خموشی سے عدت گذر جانے دے، اور عدت کے بعد بیوی کو اپنے گھر سے رخصت کر دے تو یہ تسریح ہو جائیگی مگر کیا آپ اسکو تیسری طلاق قرار دینگے؟

انہوں نے تحریر فرمایا۔ کہ یہ تسریح نہ ہوگی۔ جبتک وہ تیسری بار طلاق نہ دیگا تسریح نہ ہوگی۔ یہ ایک ایسی صورت ہوگی کہ زن و شو میں تفریق تو ہوگئی۔ نکاح باقی نہ رہا عدت گذر جانے کے باعث شوہر کو امساک کا حق نہ رہا۔ مگر اسی

شوہر سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ قرآن مجید نے تو دوسری طلاق کے بعد شرطیہ منتصلہ حقیقیہ یعنی مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو دونوں حیثیتوں کے ساتھ فرما دیا کہ فامساک بمعروف او تسریح باحسان دوسری طلاق کے بعد شوہر یا تو امساک بالمعروف کرے یا تسریح باحسان کرے ان دو صورتوں کے سوا کسی تیسرے طریق کار کی یہاں گنجائش ہی کہاں ہے۔ عدت گذار کر شوہر نے جو مطلقہ کو اپنے گھر سے رخصت کر دیا بغیر تیسری طلاق دیئے تو آپ اسکو امساک تو کہہ نہیں سکتے اور تسریح بھی نہیں کہتے تو پھر اس تیسری صورت کا قرآن مبین نے کیا نام بتایا ہے؟ اور وہ قرآن کا شرطیہ متصلہ حقیقیہ تو نعوذ باللہ غلط ٹھہرا۔ کہ تیسری صورت کی بھی گنجایش باقی ہے اگر صرف مانعۃ الجمع مانتے ہیں تو تیسری صورت کا قرآنی نام کیا ہے؟ بتایئے۔ آپ بھی اپنے ذرا طرز سخن کو دیکھیں میں جو کچھ عرض کرونگا تو شکایت ہوگی۔

برادر عزیز سے اس کا کوئی جواب تو نہ ہوسکا۔ مگر وہ تقلید کی رسّی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس لئے اپنی بات پر ابھی تک قائم ہیں۔ جس کا مجھکو سخت افسوس ہے غیر ممسوسہ کے لئے اسی لئے اذا طلقتم کہنے کے بعد فمتعوھن و سرحوھن سراحا جمیلا ٥ فرمایا گیا۔ کہ غیر ممسوسہ کے ساتھ جب ارادہ فسخ نکاح کا اظہار کرو تو صرف ارادے کا اظہار ہی کر کے نہ چھوڑو۔ بلکہ ان کو کچھ دے کر اپنے گھر سے رخصت کر دو اس لئے کہ ان کا نکاح باقی نہ رہا۔ اور نہ وہ تمہارے لئے عدت کرینگی، کہ تم ان کو اپنے گھر میں رکھکر ان سے عدت پوری کراؤ۔

سورہ احزاب میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا تھا کہ اپنی بیویوں سے کہدو فان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا ٥ تم لوگ اگر دنیاوی ہی زندگی اور اسی کی زیبائش کی خواہشمند ہو تو آؤ ہم تمہیں ساز و سامان دیکر حسن و خوبی کے ساتھ رخصت کر دیں۔ اس آیت میں طلاق کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ صرف تسریح کا ذکر ہے اس سے یہ سمجھنا کہ یہاں تسریح طلاق کے معنی میں ہے صحیح نہیں۔ اس لئے کہ طلاق کے بعد مطلقہ پر عدت واجب

ہے اور شوہر کو حکم ہے کہ عدت تک ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں اور نہ وہ خود نکلیں۔ اگر تسریح سے طلاق مراد ہوتی تو سراحاً جمیلاً نہ فرمایا جاتا۔ اور پھر امتعکن بھی نہ فرمایا جاتا۔ ساز وسامان دیکر رخصت کرنے کا وقت تو عدت کے بعد ہوتا ہے۔ یہاں "تعالین" کا لفظ صاف بتارہا ہے کہ مراد ہے تعالین واستطلقن آؤ اور مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرو۔ یعنی باصطلاح محدثین وفقہاء خلع کی درخواست کرو، تاکہ میں تم کو طلاق دے کر اسی وقت ساز وسامان کے ساتھ رخصت کردوں۔ اس لئے کہ مستطلقات یعنی خلع چاہنے والیوں پر طلاق پانے کے بعد عدت نہیں ہے اور ان کی فوری تسریح ہوجاتی ہے۔ تعالین کے بعد جس طرح واستطلقن کا مفہوم خود فحوائے کلام سے پیدا ہورہا ہے، اسی طرح اسرحکن سے پہلے اطلّقکن کا مفہوم خود نمایاں ہورہا ہے۔ اس لئے کہ تسریح طلاق کے بغیر نہیں ہوتی۔ پہلے طلاق شوہر دیگا اسکے بعد تسریح کریگا۔ اقیموا الصلوٰۃ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بے وضو نماز پڑھ لو۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ توضئوا فاقیموا الصلوٰۃ طلاق شوہر کی عزیمت کے ساتھ ایک قول پر یعنی اس کے فعل پر موقوف ہے اور تسریح شوہر کے فعل پر موقوف نہیں غیر ممسوسہ کو شوہر نے ایک طلاق دیدی اور وہ مسرحہ ہوگئی یعنی اسکی زوجیت کی قید سے آزاد ہوگئی۔ ممسوسہ کو شوہر نے اپنی مرضی سے طلاق دی تو عدت گذرنے سے پہلے تک وہ صرف مطلقہ ہے مسرحہ نہیں۔ عدت گذر گئی۔ اور وہ مسرحہ ہوگئی۔ شوہر کی زوجیت سے باہر نکل گئی۔ عورت کی یہ تسریح بمعنی مصدر مجہول ہوئی۔ مگر شوہر پر غیر ممسوسہ کی فی الفور تسریح اور ممسوسہ کی عدت کے بعد تسریح فرض ہے بمعنی مصدر معروف۔ شوہر پر تسریح باحسان فرض ہے۔ عدت کے بعد مطلقہ خود شوہر کے گھر سے اپنے میکے چلی جائے تو وہ گنہگار نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قانون شرعی کے رو سے وہ مسرحہ ہوچکی۔ یا غیر ممسوسہ طلاق پاتے ہی شوہر کے گھر سے خود رخصت ہوجائے تو جائز ہے۔ مگر شوہر نے اگر بے اعتنائی برتی ہے۔ اور شوہر کی بے پروائی دیکھ کر مجبوراً وہ خود وہاں سے اٹھکر چلی آئی ہے تو شوہر گنہگار ہوگا۔ کہ اس نے اپنے فعل و

عمل سے تسریح باحسان کا حکم انجام نہ دیا۔ غرض سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت اسرحکن سراحًا جمیلاً میں تسریح طلاق کے معنی میں نہیں ہے۔ اگر طلاق کے معنی میں ہوتی۔ تو پہلا اسرحکن سے پہلے امتعکن اور اس کے بعد سراحًا جمیلاً نہ فرمایا جاتا۔ طلاقًا جمیلاً پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ طلاق ابغض المباحات ہے طلاق جمیل نہیں ہوسکتی۔ تسریح مطلقہ کو گھر سے رخصت البتہ اچھی طرح بھی ممکن ہے اور بری طرح بھی۔ اسی لئے حکم ہے تسریح باحسان اور سرحوھن سراحًا جمیلاً کا۔ مگر چونکہ تسریح مطلقہ ہی کی ہوتی ہے۔ اس لئے تسریح کے قبل وقوع طلاق ضروری ہے۔ چاہے شوہر خود طلاق دے چاہے عورت کے مطالبہ و استطلاق کے بعد طلاق دے جسکو فقہا خلعی طلاق کہتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تسریح طلاق سے الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ مگر طلاق کے بعد ہی واقع ہوتی ہے۔ بغیر طلاق کے تسریح نہیں ہوسکتی۔ اور طلاق کے لئے تسریح ضروری نہیں۔ عدت پوری ہونے سے پہلے ایک یا دو طلاق جو واقع ہو تو اس کو تسریح نہیں کہہ سکتے۔ شوہر کے امساک کے بعد اس عورت کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ مطلقہ ہوگئی تھی۔ یہ نہیں کہسکتے کہ یہ مسرحہ ہوچکی تھی۔ غرض طلاق و تسریح کو ایک سمجھنا فاحش غلطی ہے۔

۱۸ و ۱۹ قولہ تعالےٰ ولا یحل لکم ان تاخذ وا مما اتیتموھن شیئًا یہ عطف تفسیری ہے تسریح باحسان پر۔ یعنی اپنی مطلقہ کو عدت کے ختم ہو جانے کے بعد اپنے گھر سے رخصت کرو تو احسان یعنی حسن سلوک کے ساتھ اور سب سے بڑا حسن سلوک اور سب سے ضروری اور اہم حسن سلوک یہ ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ تم اسکو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ بھی اس سے واپس نہ لے لو۔

یہ حکم سورۂ نساء میں بھی آیا ہے آیت ۱۹ میں ارشاد ہے۔ ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن تم ان کو مقید نہ رکھنا کہ جو کچھ ان کو تم دے چکے ہو۔ وہ ان سے پھر لے لو۔ اور اسی کے بعد آیت ۲۰ میں ہے واتیتم احدھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئًا۔ اگر تم

ان کو سونے چاندی کا ڈھیر بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ یہاں بھی شیئًا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی واپس لینا اپنی مطلقہ سے جائز نہیں غرض بطور خود اس خیال سے کہ اب تو یہ میری بیوی رہی نہیں پھر اس کے پاس میری دی ہوئی چیزیں کیوں رہیں۔ اس سے شوہر کوئی چیز بھی نہیں لے سکتا۔

مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ شوہر نے اپنا پورا مکان، اپنی پوری جائداد۔ اپنا کھیت اپنا باغ یا اپنا پورا کارخانہ بیوی کے نام سے میل محبت کے زمانے میں لکھ دیا ہو۔ اب چند برسوں کے بعد رفتہ رفتہ شوہر کو اس بیوی کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث اس سے بیزاری سی پیدا ہو گئی۔ وہ طلاق دینا چاہتا ہے مگر اپنے گھر اپنی جائداد اپنے کھیت اپنے باغ اور اپنے کارخانے کے باعث طلاق نہیں دے سکتا۔ اور نہ دلی بیزاری کے باعث باہمی حسن معاشرت کے حقوق و فرائض جو حدود اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ادا بھی نہیں کر سکتا اور حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایسی کشمکش میں بعض شوہر مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح بعض عورت شوہر سے نہایت درجہ بیزار ہو سکتی ہے۔ باوجود اس کے کہ شوہر نے اس کا مہر بھی ادا کر دیا ہے بہت سے زیورات اور قیمتی ملبوسات بھی لا لا کر دیئے ہیں اس شوہر سے اس کی بیزاری نہیں مٹتی۔ یہ شوہر سے طلاق مانگتی ہے شوہر طلاق نہیں دیتا اور احسان جتاتا ہے کہ ہم نے مہر بھی ادا کر دیا اتنے روپے اسقدر زیورات اور ایسے ایسے قیمتی کپڑے لا لا کر دیے پھر بھی ہم طلاق دیدیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر عورت اپنی نہایت بیزاری کی وجہ سے اس شوہر کے ساتھ حسن معاشرت کے جو فرائض ہیں نہ انجام دے سکتی اور نہ اس کے حقوق خوشدلی سے ادا کر سکتی یعنی کسی طرح بھی حدود اللہ کو اس کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتی۔

نکاح ہوتا ہے زن و مرد دونوں کی رضامندی سے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے راضی رہنا چاہیئے۔ شوہر کو جس طرح طلاق دینے

کا اختیار ہے عورت کو بھی اسی طرح شوہر سے طلاق لینے کا اختیار ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف مگر دونوں صورتوں میں یعنی شوہر بیزار ہو کر طلاق دینا چاہتا ہو یا عورت بیزاری کے باعث طلاق کی طالب ہو۔ اگر شوہر کے مطالبۂ مال کا سوال سامنے آگیا ہو تو ایسی صورت کے متعلق بھی ضرور اس عام ممانعتِ اخذِ مال سے استثناء کی صورت بھی بیان فرما دینی ضروری تھی۔ اس لئے اس کے بعد ارشاد ہوا۔

الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ ط یہ استثناء ہے لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئًا سے۔

یہاں مخاطبت نہیں ہے۔ اور نہ صیغہ جمع کے ساتھ عام طور سے طلاق دینے والوں کی جماعت اور طلاق پانے والیوں کی جماعت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس طرح ہر جگہ احکام طلاق میں شوہروں کو بصیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور عورتوں کو بصیغہ جمع مونث غائب۔ وہ سلسلہ عام مخاطبت کا مستثنیٰ منہ یعنی ولا یحل لکم سے شیئًا تک ختم ہو گیا۔ اب اس استثنائی جملے سے شوہروں کی جماعت میں سے صرف ایک شوہر اور اس کی صرف ایک بیوی کا بصیغۂ تثنیہ دونوں کا یکجائی ذکر شروع ہو رہا ہے۔ (اتنا اس لئے لکھ دیا کہ سابق اندازِ بیان اور اس نئے طرزِ بیان کو اہلِ نظر ملحوظ رکھیں اور دونوں کو خلط ملط کر کے یہاں کا ٹکڑا وہاں جوڑ کر اور وہاں کا پیوند یہاں لگا کر خلط مبحث نہ کریں۔)

فرمایا جاتا ہے "مگر وہ دونوں زن و شو جو اس بات سے ڈرتے ہوں کہ (بغیر کچھ لئے دیئے) وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ (تو ان کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے۔")

مگر ظاہر ہے کہ طلاق کا معاملہ چاہے شوہر خود دے رہا ہو۔ چاہے عورت طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو۔ دونوں صورتیں باہمی رنجش و بیزاری ہی کے باعث پیش آیا کرتی ہیں۔ اور زن و شو کے درمیان باہمی رنجش و بیزاری ہو تو حکم ہے فابعثوا حکمًا من اھلہ وحکمًا من اھلھا۔ یعنی ایک

حَکَم شوہر کے لوگوں میں سے اور ایک حَکَم اس کی بیوی کے لوگوں میں سے کھڑے کیے جائیں کہ وہ اول تو مصالحت کی کوشش کریں۔ مصالحت نہ ہو سکے تو مناسب طریقے سے تفریق کی صورت پیدا کر دیں اور جب یہاں مطالبہ مال کا قصہ چھڑا ہوا ہے تو یقیناً شوہر چاہیگا کہ وہ سب ورنہ زیادہ سے زیادہ مال واپس لے لے، اور عورت چاہیگی کہ کچھ بھی واپس نہ دے یا کم سے کم دے۔ یہ موقع تو یقیناً جانبین کی طرف سے ایک ایک حَکَم مقرر کرنے کا ہے اگر حَکَموں سے بھی کام نہ نکلے تو حُکام وقت سے رجوع کرنا ضروری ہوگا۔ اس لئے ان حَکَموں یا حکام کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے۔

۲۳ و ۲۴ فان خفتم الّا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیهما فیما افتدت بہ۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی عورتیں ظالم شوہروں سے نجات حاصل کرنے کیلئے ان سے طلاق کا مطالبہ کرتی تھیں۔ مگر شوہر طلاق نہیں دیتا تھا۔ تو بیچاری مجبور ہو کر کچھ مال شوہر کو دیکر اس سے طلاق حاصل کرتی تھیں مگر زمانہ جاہلیت میں ایسی عورت کو بھی گنہگار ہی لوگ سمجھتے تھے جو مال دے کر طلاق خریدے اور اس کے اس شوہر کو بھی گنہگار سمجھتے تھے جو بیوی سے مال لے کر اس کو طلاق دے۔

پہلے تو فان خفتم کہکر جانبین کے حَکَموں اور حکام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حَکَمو! یا اے حاکمو! - اگر تم لوگ بھی ان دونوں زن و شو کے حالات سے مطلع ہونے کے بعد اس کا خطرہ محسوس کرو کہ واقعی اگر شوہر اپنے دیئے ہوئے اموال میں سے کچھ واپس نہ لیگا تو (چاہے شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے رہا ہو چاہے بیوی کے مطالبے پر) یہ دونوں حدود اللہ کو کبھی قائم نہ رکھ سکینگے۔ تو (اگر شوہر بطور خود طلاق دے رہا ہے تو دونوں حَکَم یا حکام جس قدر اس کو بیوی سے دلوادیں اسی قدر وہ لے۔ اور بیوی اتنا دینے میں عذر نہ کرے۔ شوہر اس سے زیادہ نہ لے۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی بات واضح تھی۔ مگر عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہو اور وہ شوہر کا دیا ہوا مال واپس دیکر اپنی جان کا فدیہ دیکر اس شوہر سے اپنی گلو خلاصی چاہے

اور شوہر وہ مال قبول کرے تو چونکہ زمانۂ جاہلیت میں دونوں کو گنہگار سمجھتے تھے اس لیئے اس غلط خیال کی تصحیح فرما دی کہ اگر وہ عورت کچھ فدیہ (اپنی گلو خلاصی کے لیئے) شوہر کے سامنے پیش کر دے، اور شوہر اس کو قبول کر لے تو اس سے ان دونوں میں سے کسی پر بھی مطلق گناہ نہیں ہے۔ کوئی گنہگار نہ ہوگا۔

۲۵ و ۲۶ فلا جناح علیھما میں ضمیر تثنیہ انہیں دونوں زن و شو کیطرف پھر رہی ہے جن دونوں کی طرف یخافا، اور یقیما کی تثنیہ والی ضمیریں اوپر دونوں جگہ پھر رہی تھیں یعنی الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ میں بھی اور وان خفتم الا یقیما حدود اللہ میں بھی اور افتدت کی ضمیر مؤنث واحد انہیں دونوں زن و شو میں کی "زن" کی طرف راجع ہے۔ قرآن مجید کے عنوان بیان میں جو معجزانہ ایجاز ہوتا ہے تدبّر فی القرآن کرنے والے اہل علم و اہل ادب سے پوشیدہ نہیں، اسی اصول ایجاز کے مطابق صرف افتدت بہ فرما کر چھوڑ دیا گیا۔ یعنی صرف فدیہ پیش کرنے والی کے فدیہ پیش کرنے کا ذکر فرمایا گیا اور فدیہ قبول کرنے والے اس کے شوہر کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ اس لیئے کہ علیھما میں دونوں کا ذکر ہو چکا ہے عورت نے فدیہ پیش کیا ہوگا۔ یا پیش کرے گی تو شوہر ہی کے سامنے اور فدیہ جب وہ قبول کر لیگا اور لے لیگا تبھی اوہام جاہلیت کے ماتحت ان دونوں زن و شو کے گنہگار ہونے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا جس خیال کے غلط ہونے کا اعلان فلا جناح علیھما فرما کر دیا گیا۔ اس لیئے فیما

ع احکام کی آیتوں میں ایجاز خصوصیت ادب عربی کے مطابق متعدد جگہ ہے جو بعض عجمی مفسرین کے لیئے ذہنی انتشار کا باعث ہوا اور وہ مفہوم تو سمجھے مگر ان کا انداز تفسیر بتاتا ہے کہ وہ ان آیات کے معجزانہ ایجاز کا لطف نہ محسوس کر سکے۔ مثلاً سورہ نساء کی آیت ۱۱ میں بیٹیوں کا حصہ بیان فرمایا تو ان کن نساء فوق اثنتین فرمایا اور اثنتین کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور آخر سورہ نساء میں آیت ۱۷۶ کو دیکھیے کہ یہاں "اثنتین" فرما کر صرف دو بہنوں کا ذکر فرمایا گیا اور فوق اثنتین کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ ہاں حظ الانثیین سے دو بیٹیوں کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اس لیئے دو بیٹیوں کا حصہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ بیان فرما دیا۔ اور یہاں چونکہ بھائی بہن بالکل اولاد ہی کی طرح حصہ پا رہے ہیں بھائی بیٹے کی طرح اور بہن بیٹی کی طرح۔ تو جب جب دو یا زیادہ بیٹیوں کا حصہ وہاں مذکور ہے تو اب یہاں صرف دو بہنوں کا حصہ بیان فرما دیا گیا۔ ورنہ زیادہ ہوں تو بیٹیوں کے حصے کے مطابق سمجھ لو۔ مزید تفصیل میری کتاب النقد من الظلالہ فی تفسیر آیتی الکللہ میں ہے یہاں اس کے ذکر کی گنجائش ہے نہ یہ اسکا محل ہے۔۱۲

افتدت به کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی و فیما قیل و اخذ تلک الفد یدعنھا یہاں تک فرمانے کے بعد ایک نہایت لطیف نکتہ محض فحوائے کلام سے پیدا کر دینے کے لئے بات کو ناتمام چھوڑ کر ایک جملہ معترضہ ارشاد فرمایا گیا۔ کیوں؟ اور وہ کون سا نکتہ ہے اس کو میں آگے بیان کرونگا ان شاء اللہ تعالے لاتنہ قولہ تعالے تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا، ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون ط آیت ع ۲۲۹۔

فرمایا جاتا ہے کہ اوپر جتنے احکام بیان ہوئے وہ سب اللہ تعالے کی قائم کردہ حد بندیاں ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالے کی حد بندیوں سے باہر نکل جائیں وہی لوگ (اپنی جانوں پر آپ) ظلم کرنے والے ہیں۔

یعنی جتنا بھر اوپر بیان فرمایا گیا اصل حدود اللہ وہی ہیں۔ طلاق کے سلسلے میں دس باتیں اوپر بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ ان عزموا الطلاق سے یہ بتا دیا گیا کہ طلاق کے لئے عزیمت شرط ہے۔ جبتک طلاق دینے والا پورے عزم راسخ کے ساتھ طلاق نہ دے صرف طلاق کا لفظ ایک بار یا پچاس بار بھی منہ سے غصے میں اگر شوہر کہگیا ہے اور غصہ فرد ہونے کے بعد وہ طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے غصے میں کہدیا تھا مگر طلاق دینا میں نہیں چاہتا، تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی لئے تو حکم ہے طلاق دو تو پہلے ایک پورا طہر جماع سے خالی رکھکر اس کے بعد جو حیض آئے، اسی کے بعد طلاق دو۔ تاکہ طلاق دو۔ تو پوری طرح سوچ سمجھ کر طلاق دو۔ تاکہ شوہر کی عزیمت سے طلاق واقع ہو۔

۲۔ (غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا) ہر مطلقہ کو تین حیضوں تک منتظر رہنے کا حکم ہوا

۳۔ مطلقہ کو جب اپنے حمل کا علم ہو جائے تو شوہر سے اس کا اپنا حمل پوشیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

۴۔ عدت گذر جانے کے بعد بھی اس مطلقہ کی واپسی کا دوسروں سے زیادہ مستحق وہی طلاق دینے والا شوہر ہے۔ بشرطیکہ اسی واپسی میں دونوں زن وشو کی اصلاح حال کی توقع ہو۔

۵۔ زن و مرد دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر ذمہ داری میں ملتے جلتے ہیں۔

۶۔ طلاق دو مرتبہ سے زیادہ مرتبہ نہیں دی جاسکتی۔

۷۔ ہر وہ طلاق جس کے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہے، اس طلاق کی عدت کے آخری لمحے تک شوہر کو سابق نکاح پر بغیر تجدید نکاح کئے اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کر لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اگر وہ رجوع نہ کرے اور عدت گذر جائے تو شوہر پر فرض ہے کہ حسن سلوک کے ساتھ اس مطلقہ کو اپنے گھر سے اس کے اولیاء کے گھر رخصت کر دے۔

۸۔ طلاق کے ارادے سے پہلے جو کچھ شوہر اس مطلقہ کو دے چکا ہے، مہر کی رقم ہو یا زیورات و ملبوسات وغیرہ ہوں ان میں سے کسی چیز کو بھی اس مطلقہ سے واپس لے لینا شوہر کے لئے جائز نہیں۔

۹۔ اگر ایسی صورت پیش آگئی ہو کہ بغیر اس میں سے کچھ واپسی کے دو زن و شو باہمی حقوق و فرائض کے حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک بھی۔ اور جانبین کے حکم یا حکام بھی اس کی تصدیق کریں کہ واقعی صورت حال ایسی ہی ہے کہ شوہر یا عورت یا دونوں باہم مل کر حسن معاشرت کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور جبتک شوہر کو اس کی دی ہوئی کچھ چیزیں یا سب واپس نہ دلوا دی جائیگی شوہر تفریق پر بھی راضی نہیں ہو سکتا۔ تو ایسی حالت میں وہ کچھ مال واپس لینے کی ممانعت باقی نہ رہیگی۔

۱۰۔ اگر عورت ہی طلاق کی طالب ہو اور شوہر طلاق نہ دیتا ہو تو اگر عورت بطور فدیہ کے اس شوہر سے اپنی گلو خلاصی کے لئے۔ کچھ مال شوہر کے سامنے پیش کر دے کہ وہ اتنا مال لے کر اسکو طلاق دیدے تو اسکا مال بطور فدیہ پیش کرنا اور شوہر کا اس کو قبول کر لینا اور دے دینا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق وہ دونوں اس مال فدیہ کے لین دین کے سبب سے گنہگار سمجھے جاتے تھے، یہ غلط ہے۔ اگر ایلاء کے مسئلے کو بھی اس میں شمار کر لیجئے اور پہلا نمبر اسی کو قرار دیجیے اس لئے کہ زن و شو کے معاملات کے سلسلے کو ایلاء ہی کے بیان سے شروع کیا گیا ہے۔

اور ایلاء کو زمانہ جاہلیت میں لوگ سخت ترین طلاق سمجھتے تھے، اس خیال کی تصحیح یا تنسیخ فرما کر اس کا کفارہ بتایا گیا ہے۔ اور اسی سلسلے میں فرمایا ہے کہ کفارے میں چار ماہ کا تربص جو بتایا گیا ہے اگر شوہر چار ماہ کے بعد اس عورت سے نہ ملے طلاق ہی کا عزم ظاہر کرے تو اللہ تعالےٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے یعنی ایسی صورت میں طلاق ہی کا حکم نافذ ہوگا۔ مگر چونکہ اپنی مدخولہ بیوی کو شوہر خود اپنی عزیمت سے جب بھی طلاق دیگا تو وہ امساک یعنی رجعی ہی طلاق ہوتی ہے اور ہر رجعی طلاق کے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہے اور ہر عدت والی طلاق کے آخری لمحے تک شوہر کو امساک یعنی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ اسلئے جب شوہر نے طلاق کا عزم ظاہر کر دیا تو طلاق کے یہ سارے احکام سامنے آ جائینگے۔ مگر اب اگر وہ شوہر عدت کے اندر امساک کر لیگا۔ یا عدت کے بعد اس سے دوبارہ نکاح کر لیگا تو چونکہ ایلاء کے کفارے سے اس نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو قسم کا کفارہ اس پر عائد ہو جائیگا امساک کے بعد یا دوبارہ نکاح کے بعد قربت کرے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔

غرض ایلاء سے چونکہ سلسلۂ کلام شروع ہوا ہے اسلئے ایلاء کو بھی شمار کر لیجے تو گیارہ باتیں ہوئیں جن کو حدود اللہ کہکر بتایا کہ ان حدود سے جو بھی باہر نکلیگا وہ ظالم ہوگا۔ اے مسلمانو! ان حدود کو قائم رکھو۔

لیکن مفتدیہ اور مستفدی یعنی فدیہ دینے والی اور فدیہ لینے والے کے متعلق صرف اسی قدر فرمایا گیا کہ اس مال فدیہ کے لین دین کی وجہ سے دینے والی اور لینے والا کوئی بھی گنہگار نہ ہوگا۔ اس سے زیادہ یہاں پر کچھ نہ بتایا۔ آخر کیوں؟ یہ کہنا کہ اس سے زیادہ ان دونوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ عورت نے مال فدیہ پیش کیا ہے طلاق لینے کے لیے، اور شوہر نے وہ مال فدیہ اسی لئے لیا ہے کہ وہ اس عورت کی مطالبے کے مطابق اسکو طلاق دیدے۔ تو اگر شوہر نے مال فدیہ لے کر اس فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دیدی تو یہ طلاق کیسی ہوگی؟ کیونکہ یہ ایک بالکل نئی قسم کی طلاق ہے۔ یہ عورت غیر ممسوسہ ہے نہیں مختلعہ ہے اور چونکہ مختلعہ

تشریح ہی کی طالب ہوتی ہے اسلئے اتنا تو سمجھا جائیگا کہ یہ طلاق تسریحی ہوگی۔ یعنی فوراً نکاح ایک ہی طلاق سے ٹوٹ جائیگا۔ مگر یہ مختلعہ بالمال ہے۔ اس نے شوہر کو مال فدیہ دیکر اُس سے طلاق خریدی ہے اور نہ شوہر نے مال فدیہ لے کر اپنے حقوق زوجیت سے طلاق دیکر دست بردار ہوا ہے۔ اس لئے ایسی طلاق جسکو زمانۂ جاہلیت میں زن وشو دونوں کے لئے باعث گناہ لوگ سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق صرف اتنا معلوم کرکے کہ وہ گناہ نہیں ہے ایسی صورت میں زن وشو میں سے کوئی بھی گناہگار نہ ہوگا۔ تو پوری تشفی نہیں ہوتی جبتک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ طلاق کیسی ہوگی مختلعہ بغیر الافتدار اور مختلعہ بالافتدار دونوں کا حکم ایک ہے یا دونوں میں کچھ فرق ہے۔ اس کو معلوم کرنے کی خلش یقیناً ہر ایک دل میں پیدا ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر دلوں کے خطرات و وساوس کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ بالقصد یہ جانتے ہوئے کہ یہ سوال دلوں میں پیدا ہوگا پھر بھی بات کو ناتمام چھوڑ کر جملہ معترضہ کے طور سے یہ فرمایا کہ اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حدود اللہ ہیں، حدود اللہ سے باہر نہ نکلو۔ حدود اللہ ہی سے باہر نکلنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ناتمام بات جو چھوڑ دی تھی اس کو پورا کیا جاتا ہے اور جو سوال وہاں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا اس سوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ

۵؎ قولہٗ تعالیٰ فان طلقہا تو اگر اس فدیہ قبول کرنے والے شوہر نے اپنی اس فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دیدی واحد مذکر غائب کی ضمیر فاعلی جو طلّق میں ہے اور اس کے ساتھ جو واحد مؤنث غائب کی ضمیر مفعولی ھا ہے کیا اس مفتدیہ فدیہ دینے والی اور مستفدی یعنی فدیہ لینے والے اس کے شوہر کے سوا کسی اور کی طرف پھر سکتی ہے؟ کوئی صاحب عقل سلیم اس کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ اس فان طلقہا کا تعلق اس مفتدیہ اور مستفدی زن وشو سے نہیں ہے جبتک دونوں کا ذکر جملہ معترضہ سے پہلے فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ میں ہے؟ کون شخص نہیں جانتا کہ جملہ معترضہ کا ما قبل پیشتر جملہ معترضہ کے ما قبل متصل ہی کے ساتھ جوڑا جائیگا۔ اس

حیثیت سے بھی اس فان تعلقھا کا عطف تعقیبی فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ ہی پر ہے کہ جملہ معترضہ کا مابعد اس کے ماقبل متصل ہی سے دنیا کی ہر زبان میں ملحق ہوتا ہے۔ اور اس حیثیت سے بھی کہ ضمائر کے مراجع کو پہلے قریب ہی میں ڈھونڈھنا چاہئے قریب میں نہ ملے تو بعید پھر ابعد میں ڈھونڈھنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ یہاں ھا ضمیر مفعولی کا مرجع جملہ معترضہ کے قبل متصل افتدت کی فاعل مفتدیہ موجود ہے کوئی ادبی و دینی وجہ ایسی نہیں بتائی جا سکتی ہے کہ اس ھا کی ضمیر واحد مؤنث غائب اس مفتدیہ کی طرف اور طلق کی ضمیر واحد مذکر غائب اس مفتدیہ کے مستفدی شوہر کی طرف نہ پھیری جائے جن دونوں کا اجمالی ذکر فلاجناح علیھما کی ضمیر تثنیہ غائب میں اسی جملے میں موجود ہے جو جملہ معترضہ کے ماقبل متصل واقع ہے جس پر اس فان طلقھا کا عطف تعقیبی ہے۔ اور جب فان طلقھا کا عطف فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ پر ہے، تو یہ ضمیریں یقیناً مستفدی اور مفتدیہ ہی کی طرف پھرینگی۔ کسی اور طرف ان میں کی کوئی ضمیر پھر ہی نہیں سکتی۔

پھر بات ناتمام بھی فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ، کے جملے کی رہ گئی تھی، تتمہ و تکملہ کا محتاج بھی یہی جملہ ہے، یعنی فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ میں جو بات کہنا باقی رہ گئی ہے وہ اسی فان طلقھا ہی والے پورے جملہ شرطیہ سے پوری ہو جاتی ہے۔

مفسرین جو اس فان طلقھا کا عطف الطلاق مرتٰن پر کرتے ہیں کس قاعدے سے کرتے ہیں؟ کیا وہ درمیان کے سب جملوں کو جملہائے معترضہ قرار دینگے؟ یا دے سکتے ہیں؟۔ اسی الطلاق مرتٰن والے جملے پر عطف اس کے بعد والے جملے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کا ہے جہاں مخاطبت سارے طلاق دینے والے شوہروں کیطرف بصیغۂ جمع مذکر حاضر اور مطلقات کے لئے جمع مؤنث غائب کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ فان طلقھا کا عطف اگر الطلاق مرتٰن پر ہوتا، تو واحد غائب کی

دونوں مذکر و مؤنث ضمیریں نہ لائی جاتیں جمع مذکر حاضر کی ضمیر شوہروں کیلئے
اور جمع مؤنث غائب کی ضمیر مطلقات کیلئے فلا یحل لکم ان تاخذ و مما
اتیتموھن شیئا کے مطابق لائی جاتیں اور فرمایا جاتا فان طلقتموھن
فلا یحللن لکم من بعد حتی ینکحن ازواجا غیرکم فان طلقوھن
فلا جناح علیکم ان تتراجعوا ان ظننتم ان تقیما حدود اللہ اس
طرح آیت ۲۳۰ ہوتی۔ مگر جب اس طرح نہیں فرمایا گیا تو اس طرح کی عبارت کا مفہوم کیوں نکالا جا رہا ہے

۲۹ و ۳۰ قولہ تعالےٰ فلا تحل لہ من بعد اگر فدیہ لینے والے
شوہر نے اپنی فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دیدی تو وہ فدیہ دینے والی بیوی اپنے
اس فدیہ لے کر طلاق دینے والے شوہر کے لئے حلال نہ رہیگی اس کے بعد۔
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کے بعد۔ بلکہ دو سوال پیدا ہوتے
ہیں ایک تو یہ کہ "من بعد" کس فعل سے تعلق رکھتا ہے؟ فان طلقھا سے
یا فلا تحل لہ سے؟ دوسرا سوال یہ کہ اس "بعد" کا مضاف الیہ کون ہو؟
مفسرین فان طلقھا کا عطف الطلاق مرتٰن پر کرتے ہیں اور فان
طلقھا کے بعد اپنی طرف سے طلقۃ ثالثۃ تفسیریں بڑھاتے ہیں۔ اس
اضافے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔ کیونکہ محذوف تو اسکو کہتے ہیں!
جو لفظ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے کسی غالب قرینے سے گویا مذکور اور عبارت
میں موجود ہو مگر لفظاً مذکور نہ ہو۔ جیسے ان کنت تقیا۔ یعنی ان کنت تقیا
فاتق اللہ۔ مگر جہاں کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کسی لفظ کے محذوف
ہونے پر دلالت کرنے والا نہ ہو وہاں بغیر کسی قرینے کے کوئی لفظ کسی
آیت میں محذوف ماننا کھلی ہوئی تحریف لفظی و تحریف معنوی دونوں ہے
جیسے سورہ نساء کی آیت ۱۲ میں وان کان رجل یورث کللۃ او امراۃ
ولہ اخ او اخت کے بعد مفسرین لکھدیتے ہیں کہ ای من ام۔ مگر وہ
سمجھتے تھے کہ بغیر سند کے یہ تفسیر، تفسیر نہیں اضافہ و تحریف ہوگی اس لئے
سب سے پہلے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ایک روایت ابی بن کعب کی قرأت
کی اسناد جوڑ کر لکھدی بعد والے مفسرین کے لئے یہ سند کافی ہوگئی۔

مگر کسی نے یہ نہیں سوچا کہ آخر خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مصاحف کے مطابق فتویٰ دیتے تھے یا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق ؟ - اور دوسرے تمام اکابر صحابہ حضرت ابی بن کعب ہی کے مصحف کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے تو اپنے مصاحف کو بھی ان لوگوں نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کے مطابق کیوں نہ بنالیا ؟

اور اگر حضرات خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم خود اپنے ہی مصاحف کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت ابی بن کعب کی قرارت کو نہیں تسلیم کرتے تھے تو ہم کیوں ایک آحاد قرارت پر عمل کریں اور خلفائے راشدین اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ کا اتباع امور یہ کیوں نہ کریں ۔ ؟ حقیقتا یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی عنہ پر یہ بہتان ہے وکفی باللہ شہیدا

یہاں کسی دوسری قرارت کی ابن جریر کو نہ سوجھی - صرف من بعد ای من بعد المرتین مفسرین نے لکھدیا - اور اس کو متعلق کردیا فان طلقها کے ۔ عبارت یوں قرار دی فان طلقها من بعد المرتین ۔ تو اب ای طلقة ثالثة لکھنے کی گنجائش نکل آئی - دو مرتبے کے بعد جب پھر طلاق دی جائیگی تو تیسری طلاق ضرور ہو جائیگی ۔ علامہ زمخشری لکھتے ای فان طلقها مرۃ ثالثۃ بعد المرتین ۔

ہمارے مفسرین رحمہم اللہ ادب عربی کے امام تھے مگر کیا یہ لوگ اتنا نہیں جانتے تھے کہ من بعد جب آئیگا تو اپنے فعل مظروف کے بعد ہی آئیگا - کسی دوسرے فعل کے بعد نہیں آتا - اگر طلقها بعد المرتین تفسیر صحیح ہوتی تو من بعد فلا تحل کے بعد نہ آتا ۔ فان طلقها کے بعد آتا اور عبارت یوں ہوتی فان طلقها من بعد فلا تحل له حتی تنکح ۔ مگر قرآن مجید میں من بعد فلا تحل کے بعد آیا ہے - اسلئے من بعد کا تعلق فان طلقها سے ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ اسکی ایک مثال نہیں دکھائی جاسکتی کہ من بعد یا بعد کبھی اپنے فعل مظروف کو چھوڑ کر کسی دوسرے فعل کے بعد آیا ہو - اسلئے ان کی تفسیر کی جڑ ہی کٹی ہوئی ہے - اس کے علاوہ اگر اس من بعد کا مضاف الیہ

یہاں المؤمنین ہوتا تو وہ کبھی محذوف نہ ہوتا اسلیئے کہ مرتان کا لفظ آیت ۲۲۹ کے شروع نہیں تو تقریباً شروع میں ہے دونوں کے درمیان بُونِ بعید و فاصلہ مدیدہے۔ اور اس من بعد کے دوسرے مضاف الیہ قریب میں مل رہے ہیں۔ جو مفہوم کے اعتبار سے بھی قریب تر ہیں اس قریب کے مضاف الیہ کو چھوڑ کر اتنی دور کسی کا ذہن نہیں جا سکتا۔ اگر مفسرین تیسری طلاق کو قرآن مجید سے کسی طرح ثابت کرنے کی دُھن میں نہوتے تو کبھی وہ من بعد کو جو لا تحل لہ کے بعد آیا ہے خلاف ادب عربی فان طلقها کے متعلق نہ بناتے، اور من بعد کا مضاف الیہ قریب موجود ہوتے اسکو چھوڑ کر دو آیت اوپر زبردستی تلاش کرنے نہ جاتے بلکہ ان کا ذہن بھی اس طرف نہ جاتا۔ یہ جوئے شیر تو تیسری طلاق کے عشق میں لائی گئی ہے۔

من بعد کا مضاف الیہ ایک تو بہت قریب نظر آرہا ہے اور وہ "طلاق" کا لفظ ہے یعنی عبارت یوں ہو فان طلقها فلا تحل لہ من بعد هٰذا الطلاق۔ مگر اس تفسیر میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس صورت من بعد کا لفظ بیکار سا رہتا ہے۔ بغیر من بعد کے بھی فلا تحل لہ کی فائے تعقیب سے وہی مفہوم نکل رہا ہے۔ اور اس کو بے ضرورت مؤکد کرنا من بعد لاکر فضول ہے قرآن مجید میں کوئی لفظ فاضل بے سود نہیں آیا ہے۔ یہاں تو سیاق وسباق عبارت چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔ کہ فان طلقها کے معنی یہ ہیں کہ "تو اگر اس فدیہ لینے والے نے اس فدیہ دینے والی کو طلاق دیدی فلا تحل لہ من بعد اخذ ما افتدت بہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ تو وہ فدیہ دینے والی اس شوہر کے لئے حلال نہ رہیگی۔ اس کے فدیہ لے لینے کے بعد۔ جبتک وہ اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ یہ شرط فدیہ لے لینے کے بعد کی اس لئے لگادی کہ شوہر باوجود عورت کے فدیہ پیش کرنے کے فدیہ قبول نہ کرے اور نہ لے یا فدیہ کا سوال ہی سامنے نہ آئے عورت کا مطالبۂ طلاق ہو اور شوہر طلاق دیدے تو ایسی حالتوں میں اتنی شدید حرمت دونوں کے درمیان ہرگز پیدا نہ ہوگی۔ حرمت کی یہ شدت صرف عورت سے مال فدیہ لیکر طلاق

دینے کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

اتنا شدید حکم کیوں ہوا

ظاہر ہے کہ عورت شوہر سے جبتک بیزار نہ ہوگی اپنے شوہر سے خود طلاق کا مطالبہ کبھی نہ کریگی۔ اور جبتک عورت اپنے شوہر سے حد سے زیادہ بیزار نہ ہوگی وہ اس سے اپنی گلو خلاصی اپنا مال دے کر کبھی حاصل نہ کریگی۔ تو جس عورت نے شوہر سے اپنی غایت بیزاری کا ثبوت اس طرح دیا ہو کہ اپنا مال دیکر شوہر سے باصرار اس نے طلاق خریدی ہو۔ اگر وہ پھر اسی شوہر سے دوبارہ نکاح پر راضی ہوگئی ہے تو اسکا وہ کیا ثبوت دے سکتی ہے کہ اب اس کی وہ بیزاری اس شوہر سے باقی نہ رہی جو پہلے تھی۔ صرف زبانی اقرار پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ عورتوں کی متلون مزاجی مشہور ہے۔ اس لیئے اگر واقعی اس شوہر سے اس کی وہ بیزاری جو پہلے تھی باقی نہ رہی تو یہ اس کا عملی ثبوت اس طرح دے کہ دوسرے کسی مرد سے نکاح کرلے۔ اگر وہ اسکو طلاق دیدے بطور خود یا اس کے اصرار سے خلوت کے بعد، یا خلوت سے پہلے۔ کسی طرح سے بھی دوسرا شوہر طلاق دیدے یا یہ اس سے طلاق لے لے اور اب یہ اس پہلے شوہر کیطرف رجوع کرنا چاہتی ہے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اب اس کی وہ پہلی بیزاری اس شوہر سے باقی نہ رہی۔ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ کچھ دنوں رہ چکی ہے تو سمجھا جائیگا کہ اس نے دونوں شوہروں کے حسن معاشرت کا اندازہ کرکے سمجھا کہ اس دوسرے سے تو وہی پہلا شوہر اچھا تھا۔ اس لئے اس سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے رجوع کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر دوسرے شوہر سے صرف زبانی نکاح کے بعد مساس سے پہلے اس نے طلاق لے لی ہے تو سمجھا جائیگا کہ پہلے شوہر سے اپنی غلط بیزاری پر اس کو سخت ندامت ہے۔ اور پہلے شوہر سے طلاق لے کر اس قدر پچھتائی کہ دوسرا نکاح صرف اسی لیئے اس نے کیا کہ جو حرمت اس کے مال دیکر طلاق لینے کے باعث پیدا ہوگئی ہے، باقی نہ رہے، اور دوسرے شوہر سے مساس سے پہلے اس نے طلاق لے لی تاکہ اس کی عصمت اس پہلے شوہر کے لئے محفوظ رہے اور کسی دوسرے

کا تصرف اس پر ہونے نہ پائے۔ اس دوسری صورت میں اس کی سابقہ بیزاری کے بالکل دفع ہو جانے کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ و مجامعت کی شرط قرآنی یُسر کو عُسر سے بدلنے والے یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر کی رحمت کو زحمت بنا دینے والے اور حکم رسول یسّروا و لا تعسّروا کی مخالفت کرنے والے بھی تشدد پسند دین میں دشواریاں پیدا کرنے والے منافق قسم کے راویوں کی من گھڑت حدیثوں سے بیان کی جاتی ہے جو قرآن کے عموم کی تنسیخ اور در اصل تخریب دین و تفسیر معاشرہ مسلمین ہی کی نیت سے گھڑی گئی تھیں۔

تقیید مطلق مفسرین لکھتے ہیں صرف سعید بن المسیب جو محدثین کے نزدیک جلیل القدر تابعی تھے فقط وہی یہاں حتی تنکح زوجا غیرہ میں صرف زبانی عقد نکاح کو کافی سمجھتے تھے۔ مگر جمہور نکاح کے بعد مجامعت کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں زوجہ رفاعہ والی حدیث کی وجہ سے۔ مگر قرآنی وسعت کو تنگی سے اور سہولت کو دشواری سے بدلنے کا الزام عائد ہو رہا تھا۔ اس لئے اس الزام کو دور کرنے کے لئے مفسرین نے فرمایا کہ بات تو کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں نکاح کا لفظ مطلق تھا حدیث نے اس کو مقید کر دیا ہے۔ اور یہ حدیث کا حق ہے۔ بے شک حدیث کو یہ حق حاصل ہے۔ مگر یہ حق حدیث صحیح کو حاصل ہے جو واقعی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہو۔ جس کی نسبت آنحضرت کی طرف صحیح ہو نہ کہ منافقین عجم کے مفتریات کو یہ حق حاصل ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم قرآن مجید کے کسی لفظ مطلق کی تقیید وہیں فرمائی ہے جہاں وہ لفظ مطلق کی معنوی وسعت کئی پہلو رکھتی ہو۔ بعض ان میں سے سختی و دشواری رکھتے ہوں، بعض نرمی و سہولت تو آپ نے اسی پہلو سے اس کو مقید فرمایا ہے جس میں سختی و دشواری کا پہلو ترک ہو جائے اور نرمی و سہولت کا پہلو باقی رہے جیسے شوہروں کو اجازت ہے کہ اگر بیویاں وعظ و نصیحت سے بھی راہ راست پہ نہ آئیں اور سرکشی و نافرمانی نہ چھوڑیں تو ان کو خوابگاہ میں اپنے سے الگ رکھو اس سے بھی اپنی عادت اگر نہ چھوڑیں فاضربوھن تو ان کو مارو۔ "مارنا"

لفظ مطلق تھا۔ مار سخت سے سخت بھی ہو سکتی ہے اور معمولی ہلکی مار بھی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ مطلق کی تقیید فرما دی کہ غیر مبرح سے یعنی ضرب شدید نہ ہو۔ ایسی مار نہ ہو کہ مار کے بعد جسم پر اس مار کا اثر کچھ بعد تک رہ جائے۔ یہ تقیید ضرور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک رحمۃ للعلمین کی طرف سے ہے کہ آپ نے سختی و شدت کے پہلو کو ترک کر کے نرمی وسہولت کے پہلو کو معیّن فرما دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے منشار کو جانتے تھے کہ یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اس لئے آپ نے عسر کے پہلو کو ترک کر کے یسر کے پہلو کو اختیار فرمایا۔ اور یہاں نکاح کا لفظ بے شک مطلق ہے۔ اس میں دشواری و شدت کا بھی ایک پہلو ہے۔ اور نرمی وسہولت کا بھی فطرت نبویہ سے بالکل بعید ہے کہ آپ منشائے الٰہی کے خلاف اپنی شان رحمۃ للعلمینی کے خلاف ایک حکم مطلق کے سہل اور آسان پہلو کو چھوڑ کر دشوار و سخت پہلو سے اسکو مقید کر دیں۔ وہ بھی خلع بالمال کرانے والی کو نہیں بلکہ ایک بے قصور کو جسکو شوہر نے اپنی عجلت پسندی سے تین طلاق دیدی تھی۔ تو اس مطلقہ غریب کا اس میں کوئی تصور نہ تھا۔ مال دے کر خلع کرانے والی کو اگر یہ حکم ہوتا تو سمجھا جاتا کہ وہ مجرمہ تھی اس لئے اس کو سخت سزا دی گئی۔ یہ روایت تین طلاق پانے والی کے متعلق کہی جاتی ہے اور پھر یہ بھی حدیث ہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں اور حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں بھی دو برس تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں۔ فرمائیے کس حدیث کو صحیح مانا جائے؟ اس کو کہ عہد نبوی و صدیقیؓ و آغاز عہد فاروقی میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں؟ یا اس زوجہ رفاعہ والی حدیث کو کہ ان کو تین طلاق ملی تھی اس لئے حلالہ الجماع پر انکو مجبور کیا گیا مقصد یہ تھا کہ زن و شو میں تفریق دائمی پیدا کرا دیں اور پھر تین طلاق جسکو قرآن مجید نے منسوخ کر دیا ہے اس کے رواج کو از سر نو قائم کر دیں تاکہ قرآنی حکم تو اٹھ جائے اور جاہلیت کا مشرکانہ رواج قائم رہے۔ اسی لئے انہوں نے زوجہ رفاعہ کو تین طلاق کی مطلقہ قرار دیا، اور حلالہ کی ضرورت جو متعہ کے لئے قرآن مجید نے رکھی ہے۔

اسکو تین طلاق پانے والی کے لئے بتایا۔ اور۔ پھر محلّل اور محلّل لہٗ دونوں کو ایک حدیث گھڑ کر ملعون قرار دیا حالانکہ محلّل لہ سے زیادہ محللہ کو کہنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ حتی تنکح میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہے وہ کسی شوہر سے بات طے کرکے نکاح کر سکتی ہے کہ وہ ایک شب اپنے پاس رکھکر وہ طلاق دیدے ہوسکتا ہے کہ محلّل لہ کو اسکی خبر بھی نہ ہو۔ وہ بے خبر محلّل لہ کیوں ملعون ہوگا؟ پھر حضرت عمرؓ کے متعلق بھی روایت گھڑی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر محلّل اور محلّل لہ میرے پاس لائے جائیں تو میں ان دونوں کو رجم کرونگا۔ یہ حدیث بھی خلاف حکم قرآن مجید سزائے رجم کو باقی رکھنے کیلئے گھڑی گئی ہے۔ پھر ایسی سخت سزا محلّل لہ غریب کو کیوں دیجائیگی جو بے قصور بھی ہوسکتا ہے۔ چاہیئے تھا محلّل اور محللہ کا ذکر کرنا۔ رجم اگر واقعی اسلام میں کوئی سزا ہے تو زانی اور زانیہ کے لئے اگر دونوں اپنا جعنت رکھتے ہوں۔ محلّل لہ تو شریک فی الفعل نہیں ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ کا عدل مشہور ہے وہ کوئی خلاف انصاف بات کبھی اپنی زبان مبارک سے نہیں نکال سکتے تھے۔ غرض اس قسم کی ساری روایتیں منافقین عجم کی من گھڑت ہیں۔ اور جن لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنے میں کسی طرح کی جھجک نہیں ہوتی تھی ان کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر افترا باندھنے میں کیا باک ہوسکتا تھا۔

وہ نکتہ اب اس نکتے کو بھی سمجھ لیجئے جس کے بیان کرنے کا وعدہ میں نے حاشیہ ۲۲ لکھنے سے پہلے کیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فان طلقها فلا تحل له من بعد الآیہ کا عطف تعقیبی فلاجناح علیهما فیما افتدت بہ پر ہے اور یہ جملہ جو معطوف تعقیبی ہے اسی معطوف علیہ کا تتمہ یا تکملہ ہے۔ تو پھر دونوں کے بیچ میں جملہ معترضہ کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ خصوصًا جب وہ بات بھی جو جملہ معترضہ کے بعد بیان فرمائی گئی ہے ماقبل جملہ معترضہ کے تکملہ کی حیثیت میں ہے اس لئے ضرور حدود اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ اس تکملے کو پورا کرکے پھر آخر واو عطف کے ساتھ فرما ہی دیا گیا وتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون۔ اگر وہ جملہ معترضہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان

نہ لایا جاتا تو یہاں دوبارہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اصل یہ ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالےٰ انسانوں کا خالق اور انسانوں کے نفسیات کا خالق ہے لوگوں کے نفسیات پر بغیر کمل کرکچھ کہے محض فحوائے کلام سے کس طرح اثر ڈالا جا سکتا ہے اس کو اللہ تعالےٰ سے بڑھکر کون جان سکتا ہے الا یعلم من خلق؟ اللہ تعالےٰ نے تو تو دہیر پر فرما دیا ہے کہ وتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون اور یہ حدود اللہ ہیں۔ ان کو اللہ ان لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے جو لوگ علم رکھتے ہیں۔ سورہ محمد میں ارشاد ہے افلا یتدبرون القرآن ام علے قلوب اقفالها۔ لوگ قرآن میں کیوں تدبّر (غور و فکر) سے کام نہیں لیتے۔؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ مگر جب روایات کی گہری سیاہ عینک ذہن کی آنکھوں پر چڑھی ہے تو قرآنی حسن و جمال پوری طرح کیا نظر آسکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان جو نکاح کا میثاقاً غلیظاً ہوتا ہے اس پیمان وفا اس عہد محبت و مودت کے توڑنے کا اظہار عزم کا نام طلاق ہے اور فرمایا گیا ہے ان العهد كان مسئولا۔ اسلئے بلا وجہ یا محض معمولی سی بات پر یا ساس سسر یا سالے سے ان بن ہوئی تو ان کا غصہ بیوی پر نکالنے اور ان کا انتقام بیوی سے لینے کے لئے طلاق دیدینا جو عموماً دیکھا جاتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اسی لئے طلاق کو ابغض المباحات کہتے ہیں اسکی اجازت تو ہے مگر بہت ناپسندیدگی کے ساتھ مجبوری درجے ہیں۔

شوہر کے طلاق دینے سے زیادہ ناپسندیدہ ہے عورت کا مطالبۂ طلاق اسلئے کہ عہد وفا اور پیمان محبت و مودت لینے والی عورت ہی ہوتی ہے واخذن منکم میثاقاً غلیظاً۔ تمہاری بیویوں نے تم سے بہت مضبوط پیمان محبت لیا ہے۔ تو جو خود عہد لے وہی عہد توڑ دے یقیناً یہ اس سے زیادہ بُرا ہے کہ جس سے عہد لیا گیا ہو وہ عہد توڑ دے۔ اور اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ کہ عہد لینے والی اپنے سے عہد کرنے والے کو مال دے کر اسکو مجبور کرے کہ وہ عہد توڑ دے۔

تو استطلاق یعنی خلع بالمال ابغض ہی نہیں بلکہ ابغض ترین مباحات ٹھہرا۔ جبھی تو جاہلیت میں لوگ اسکو گناہ سمجھتے تھے اور مال دے کر طلاق لینے والی اور مال لے کر طلاق دینے والے دونوں کو گنہگار سمجھتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک عہد شکنی نہایت بُری بات ہے۔ عہد نکاح کے توڑنے کی اجازت سعی مصالحت کی کئی منزلیں طے کرنے کے بعد دی گئی ہے۔ خلع بالمال اس کی بدترین صورت تھی اسلئے غیرت خداوندی نے اسکو پسند نہیں فرمایا کہ اس کا ذکر حدود اللہ جیسی محترم چیزوں کے شمول میں کیا جائے۔ اس لئے صرف اس کے گناہ ہونے کا خیال غلط جو اہل جاہلیت کو تھا اس خیال کو غلط بتا دیا گیا۔ کہ کسی بات کا گناہ ہونا یا گناہ نہ ہونا اس کا تعلق ضرور حدود اللہ سے ہے۔ اس لئے اس کو صرف اتنا بتا کر کہ فدیہ دیکر عورت کا طلاق لینا اور فدیہ قبول کر کے شوہر کا طلاق دینا کوئی گناہ نہیں ہے نہ اس سے وہ عورت گنہگار ہوگی نہ شوہر گنہگار ہوگا۔ اس کے بعد قصداً استطلاق بالافتداء کے مسئلے کو ناتمام چھوڑ کر جملہ

ص۹۶ صفحہ کا چھوٹا ہوا حاشیہ اسی تذ سے بچنے کے لئے اوروں نے دبی زبان سے کہا کہ ممکن ہے لا یحل لکم کے مخاطب حکام ہوں جس طرح آگے فان خفتم الا یقیما حدود اللہ میں حکام مخاطب ہیں اور بیضاوی نے تو دعوے کے ساتھ کہا کہ لا یحل لکم کے مخاطب حکام ہی ہیں۔ ورنہ نظم عبارت میں خلل پڑتا ہے۔ اور تاویل یہ کی کہ مقدمہ پیش ہونے کے وقت حکام ہی عورت سے مال دلواتے ہیں اور شوہر حکام ہی کے دلوانے سے لیتے ہیں۔ اسلئے مجازاً حکام ہی کو کہا گیا کہ لا تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ تم دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لو" نظم عبارت میں چھوٹے خلل سے ڈرانے والے مفہوم آیت میں خود زبردست خلل ڈال رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی اسکو سمجھ نہ سکیگا۔ مما اتیتم سے تو مراد مما اتیتم قبل الطلاق ہے۔ کیا حکام ہی نے طلاق کے قبل شوہروں سے عورتوں کو مہر یا زیورات و ملبوسات وغیرہ دلوائے تھے؟ لا یحل لکم ان تأخذوا کا مخاطب تحریف معنوی کر کے آپ حکام کو کسی طرح بنا لیں مگر اتیتم کا مخاطب حکام کو کس طرح بنا سکتے ہیں یہاں تو آپ کی انگلی تحریف کی طرح نہیں چل سکتی۔ اتیتم کے مخاطب تو یقیناً ازواج ہی ہیں۔ اور جو اتیتم کا مخاطب ہوگا یقیناً وہی لا یحل لکم ان تأخذوا کا مخاطب ہوگا اسلئے حکام کو یہاں مخاطب قرار دینا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ...)

۴ نقلی ہوں تحریف معنوی اور صراحتہً خلاف عقل ہے۔ نظم عبارت میں کسی طرح کا خلل نہیں ہوتا لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا تک عام زن وشو کے متعلقہ احکام کا سلسلہ بیان ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اُن دو زن وشو کا ذکر شروع ہوا جن میں سے شوہر اپنا دیا ہوا کچھ مال واپس لینے پر اور عورت واپس دینے پر مجبور ہو۔ اور یہ نیا سلسلہ کلام شیئا کے بعد سے شروع ہوا ہے تو آیت نمبر ۲۳۰ پر جا کر ختم ہوا ہے۔ اس نئے سلسلہ کلام کے درمیان ہر جگہ دو فرد واحد زن وشو ہی کا ذکر ہے کہیں بھی جماعت کا ذکر نہیں۔ اس لئے اس نئے سلسلہ کلام کے کسی جملے کا کوئی نحوی تعلق سابق سلسلہ کلام کے کسی جملے سے نہیں مانا جاسکتا۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ

معترضہ لا کر گذشتہ ساری باتوں کو حدود اللہ قرار دیکر فرمایا کہ ان حدود سے باہر نہ نکلو۔ جو لوگ بھی ان حدود سے باہر نکلینگے وہ ظالم ہی ہونگے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد فان طلقھا اس طرح فرمایا گیا کہ گویا یہ ایک غیر متوقع بات ہوئی۔ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ شوہر اس عورت کو راضی کرتا کہ وہ طلاق کا مطالبہ نہ کرے اس سے راضی نہوتی تو دوسرے لوگوں کو درمیان میں ڈالتا۔ دو حکم کھڑے کرتا۔ اور اس عورت کو اس ارادے سے باز رکھتا اور اس کو طلاق نہ دیتا۔ یا مال فدیہ قبول نہ کرتا، عورت کا اصرار تھا تو فدیہ لیے بغیر طلاق دیتا۔ مگر اس نے اگر طلاق دے ہی دی مال فدیہ لے کر فلا تحل لہ من بعد تو اس فدیہ دینے اور لینے کے بعد یہ عورت اپنے اس شوہر کے لئے حلال نہ رہیگی۔ جب تک اسکے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ پورا حکم بیان فرمانے کے بعد پھر اولعظمت کے ساتھ کہدیا کہ اور یہ حدود اللہ ہیں علم والی قوم کے لئے اللہ تعالےٰ ان کو بیان فرما رہا ہے۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ فدیہ دیکر ۲۳۱ طلاق لینے والی اور فدیہ لے کر طلاق دینے والے کے متعلق جو حکم دیا [illegible] گیا یہ حدود اللہ سے خارج ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ [illegible] ہیں۔ ۲۳۲ قولہ تعالےٰ [illegible] زوجا غیرہ [illegible] فدیہ لے کر طلاق دینے والے شوہر کے [illegible] کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے [illegible]

اس آیت میں تین لفظوں پر غور کرتا ہے ۔ حتی اور تنکم اور زوج
اسلئے الگ الگ سب پر غور فرماتا ہے ۔
۱۔ حتی کا لفظ کئی مفہوم کے لئے آتا ہے ۔ انتہائے غایت کے لئے بہت زیادہ
آتا ہے اور یہاں یہی مفہوم مراد ہے ۔ مگر یہ جب فعل مستقبل پر آتا ہے تو اس
کا ناصب ہوتا ہے ۔ نحوئین تو کہتے ہیں کہ جب فعل مستقبل پر آئیگا جبھی ناصب
ہوگا ۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے ۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۶ میں ہے حتی یقول الرسول
حالانکہ یقول یہاں مستقبل نہیں ہے بلکہ جعل یقول کے معنی میں ہے ۔
زمانہ گذشتہ کا واقعہ بیان فرمایا جارہا ہے ۔ لیکن ناصب ہے ۔ یہ ایک
ضمنی بات تھی اب ذیل کے نمبرات دیکھئے ۔
۱۔ حتی جب دو فعلوں کے درمیان آتا ہے تو پہلے فعل کی انتہائے غایت
دوسرے فعل کو ثابت کرتا ہے ۔
۲۔ مذکورہ بالا صورت میں حتی کا ماقبل مسبب ہوتا ہے اور اس کا مابعد
اس کے ماقبل کا سبب ۔
۳۔ یہ سببیت کبھی قطعی ہوتی ہے ، کبھی تحکمی ۔
۴۔ پہلے فعل پر حرف نفی آتا ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جبتک دوسرا فعل
واقع نہ ہولیگا پہلا فعل واقع نہیں ہوسکتا ۔
۵۔ حتی کے مابعد کی سببیت اگر قطعی ہو تو قائل کا مقصد یہ ہوتا ہے
کہ سامع مابعد حتی کے وقوع کا منتظر و متوقع رہے اگر وہ ماقبل کے وقوع
کا خواہشمند ہے ۔
۶۔ اگر مابعد کی سببیت محض تحکمی غیر ممکن ہوتی ہے جو تحکماً ظاہر کی گئی ہے
تو قائل کا مقصود سامع کو ماقبل حتے کے وقوع سے مایوس و ناامید کردینا
ہوتا ہے اور ماقبل کے وقوع سے انکار تام اسکی مراد ہوتی ہے ۔ جیسے لا
ید خلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کفار و مشرکین جنت میں داخل
نہ ہونگے جہاز کھینچنے والا موٹا رسا سوئی کے ناکے میں جبتک نہ سما جائے ۔ سوئی کے
ناکے میں جہازی موٹے رسے کے داخل ہو جانے کو جو غیر ممکن ہے سبب قرار

دیا گیا ہے کفار مشرکین کے دخول جنت کا توجیب وقوع سبب غیر ممکن ہے تو وقوع
مسبّب ضرور غیر ممکن ہی ہوگا۔ قائل تبارک وتعالے کا مقصد بیان یہ ہے کہ
وہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہونگے۔

تو یہ چھٹی صورت تو یقیناً حتی تنکح زوجاً غیرہ میں نہیں ہے۔ اگرچہ فقہار نے
روایات کی پیدا کردہ ایسی شرطیں اس میں لگا دی ہیں کہ یہاں یہی چھٹے نمبر والا حتی
زبردستی ماننا پڑیگا اگرچہ نہیں ہے۔

توجب چھٹے نمبر والا حتی یہاں نہیں ہے تو یقیناً قائل تبارک وتعالیٰ نے
ان دونوں زن وشو کو باہم دوبارہ ملنے سے نا امید نہیں کیا ہے بلکہ امید دلائی ہے
اور وقوع مابعد حتی یعنی کسی دوسرے سے اس عورت کے نکاح کر لینے کے بعد
دونوں کے پھر دوبارہ ملنے کی صورت بتا دی ہے فان طلقها فرما کر۔

۲۳ تنکح نکاح کا لفظ مجامعت کے معنی میں بھی آتا ہے اور صرف زبانی ایجاب
وقبول کے معنی میں بھی جیسا کہ منکوحہ غیر ممسوسہ کے متعلق طلاق والی آیت میں
مذکور ہے۔ مجامعت مرد کرتا ہے عورت نہیں کرتی اس لئے نکاح کا فاعل مرد
ہی ہوسکتا ہے اگر نکاح بمعنی مجامعت ہو۔ عورت منکوحہ ہوتی ہے ناکحہ نہیں
ہوتی۔ مگر زبانی ایجاب وقبول میں مرد وزن دونوں برابر یکساں طور سے
حصہ لے سکتے ہیں۔ اس لئے عورت کی طرف جب "نکاح" کی نسبت فاعلی
ہوگی تو اس "نکاح" سے زبانی ایجاب وقبول ہی مراد ہونگے۔ مجامعت
مراد نہیں ہوسکتی۔

قرآن مجید میں صرف تین جگہ نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے
جیسے اسی سورہ بقرہ کے تیسویں رکوع میں ہے ولا تعضلوهن ان ینکحن
ازواجهن۔ موجودہ طلاق دینے والے شوہروں کو مخاطب کرکے فرمایا
جاتا ہے کہ تم طلاق دیکر اپنی مطلقات کو قید وبند میں رکھو کہ کہیں وہ آزاد
ہوکر دوسرے) شوہروں سے نکاح نہ کرلیں یہاں وہی ایجاب وقبول ہے
رشتہ قائم کرنا مقصود ہے۔ مجامعت کرنا مقصود نہیں۔ اور سورہ نور میں ہے
من النساء اللاتی لا یرجون نکاحاً یہاں مجامعت ہی کے معنی ہیں ہے

ورنہ زبانی ایجاب وقبول تو سو برس کی بڑھیا بھی کرسکتی ہے مگر یہ مصدر مجہول یہاں ہے۔ مجامعت کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ مجامعت کیے جانے کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کو اسکی امید بالکل نہیں ہے کہ کوئی مرد ان سے ان کے بڑھاپے کی وجہ سے مجامعت کرنے کی طرف راغب ہوگا۔ اور تیسری جگہ یہی ہے حتی تنکح زوجاً غیرہ ہیں۔ یہاں بھی صرف ایجاب وقبول ہی مراد ہے۔ اسلئے کہ عورت غریب کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۳۳ نزوجاً۔ کہا جاتا ہے کہ زوجا کا لفظ تو بتا رہا ہے کہ وہ رشتہ قائم کرچکی۔ تو جو زوج ہو چکا جس کا رشتہ قائم ہو چکا اس سے صرف ایجاب وقبول دوبارہ کیا ہوگا۔ اب تو مجامعت ہی باقی ہے۔ اس لئے یہاں مجامعت ہی مراد ہے اگر مجامعت مراد ہوتی تو فرمایا جاتا حتی ینکحھا زوجٌ غیرہٗ۔ عورت چونکہ مجامعت نہیں کرسکتی ہے اس لئے عورت کی طرف مجامعت کی نسبت فاعلی نہیں ہو سکتی۔

باقی زوجاً کا لفظ تو یہ ہونے والے شوہر کو شوہر کہا گیا جس طرح ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن میں فرمایا گیا ہے۔ کیا طلاق دینے کے بعد کوئی طلاق دینے والا شوہر اپنی مطلقہ کو دوسرے سے زبانی نکاح کرلینے کی تو اجازت دیدیتا ہے تاکہ وہ اس کا زوج ہو جائے۔ مگر اس زوج سے اپنی مطلقہ کو قید میں رکھکر مجامعت نہیں کرنے دیتا ہے۔ اس لئے یہاں یہی فرمایا جارہا ہے کہ تمہاری مطلقات جو دوسروں کو ایجاب وقبول کے ذریعے اپنے ازواج بنا چکی ہیں تم ان کی مقید نہ رکھو

عہ زمخشری نے جو لکھا ہے کہ ویقال فلانۃ ناکح فی بنی فلان یہاں ناکح بمعنی منکوحۃ ہے اسی لئے ناکحۃ فی بنی فلان نہیں کہتے اگر یہ ناکح اسم فاعل ہی کے معنی میں ہوتا تو ناکحۃ ہوتا اسم مفعول کے معنی میں ہے اسی لئے ناکح بصیغہ مذکر طالق اور حائض اور مرضع کی طرح آیا کہ یہ صفات مخصوصہ نساء ہیں اسلئے صیغہ صفت میں تائے تانیث لگانے کی ضرورت نہیں۔ تو جب ناکح بمعنی منکوح آیا تو صفۃ مخصوصہ بنساء ہوگا اسی لئے تائے تانیث نہیں لگی تاکہ اس پر دلالت کرے کہ یہاں ناکح بمعنی منکوحۃ ہے۔ اور پھر ایسے کتنے اقوال سند بے لوگوں سے بنالئے ہیں سند دینی چاہئے قرآنی آیات سے ورنہ عرب عرباء کے مشہور اشعار سے ۱۲ منہ غفرلہٗ

ان کو اپنے شوہروں کے ساتھ مجامعت کرنے دو۔؟ کیا یہی معنی ہیں ؟
ہونے والے شوہر کو شوہر کہنا من قتل قتیلاً کی طرح کوئی ایسی بات نہ تھی جو ہمارے ائمہ ادب مفسرین کے ذہن میں نہ آتی۔ مگر ان کو تو کسی نہ کسی طرح آیات کو روایات کے تابع رکھنا تھا اسلئے جہاں وہ خلافِ اصول ادب عربی تک تاویلیں کرنے سے باز نہیں آتے وہاں مجاز کو حقیقت کہنا ان کے لئے کیا مشکل تھا۔

۳۴ قولہ تعالےٰ فان طلقھا۔ اگر دوسرے شوہر نے اس کو طلاق دیدی طلاق کا لفظ عام ہے، اس لئے شوہر خود اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس عورت کے مطالبے پر طلاق دے بغیر کچھ مال لئے ہوئے یا کچھ مال لے کر کسی طرح بھی اگر طلاق دیدے، مجامعت کے بعد یا ہاتھ لگانے سے پہلے۔

حتّٰی کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ حتی کا فعل ماقبل اگر منفی ہو تو وہ حرف نفی یہ ثابت کرتا ہے کہ جبتک حتّٰی کا فعل مابعد واقع نہ ہو اس کا فعل ماقبل کبھی واقع نہ ہوگا۔ قائل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامع فعل ماقبل حتی کے وقوع سے مایوس نہ ہو فعل مابعد حتی کے وقوع کا انتظار کرے۔ اور اگر سامع فعل ماقبل کے وقوع کا خواہشمند ہے تو فعل مابعد کے وقوع کا جو سامان مہیا کر سکتا ہو مہیا کرے جیسے سورہ یوسف میں ہے لن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی۔ میں یہاں سے نہیں ٹلنے والا ہوں جبتک میرا باپ مجھکو اذن نہ دے حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے نے بھائیوں سے کہا تھا۔ بھائیوں کو بتا دیا کہ میرا یہاں سے ٹلنا باپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں یہاں سے ٹلوں تو باپ سے اس کی اجازت حاصل کر کے آؤ۔ اور ارشاد ہے لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔ اپنی اس حالت کے منتظر رہو کہ تم جو کچھ بولو اس کو سمجھ سکو۔ جب تمہاری ایسی حالت ہو جائے تو مسجد کے قریب جاؤ، ایسی حالت کا پیدا ہو جانا متوقع ہے۔ منافقین کا قول نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ اہل مدینہ کو کہتے تھے لا تنفقوا علی من عند رسول اللّٰہ حتی ینفضوا منافقین اہل مدینہ انصار سے کہتے تھے کہ جو لوگ رسول اللہ کے

ساتھ ہیں (یعنی مہاجرین) ان کو کچھ دیا نہ کرو۔ اور ان کی ذات میں اپنا مال خرچ نہ
کیا کرو تاکہ یہ (تنگدستی سے مجبور ہو کر) منتشر ہو جائیں۔ ان کے نزدیک اہل مدینہ
کا مہاجرین کی ذات میں خرچ نہ کرنا سبب ہوتا ان کے رسول اللہ صلعم کے پاس
سے منتشر ہو جانے کا۔ اور وہ خود اسکی توقع رکھتے تھے اور اہل مدینہ کو اس کی
توقع[۳] دلاتے تھے۔

یہاں بھی فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ میں حتّٰی یہ
بتا رہا ہے کہ لا تحل لہ کا فرمان ابدی نہیں ہے۔ اگر یہ مختلعہ بالمال کسی دوسرے
شوہر سے نکاح کرلے تو یہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو سکتی ہے اس کی توقع
دلائی گئی مگر اب دوسری وجہ حرمت آ گئی تھی کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہو گئی۔
اب دوسرے شوہر کے سوا یہ کسی کے لئے بھی حلال نہیں ہو سکتی۔ اس پہلے شوہر
کے لئے کسی طرح حلال ہوگی۔ تو اس کی ترکیب بھی بتا دی فان طلقھا سے کہکے۔
یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کر لینے سے جو عدم حلّت کے باقی نہ رہنے کی جو
توقع دلائی گئی ہے وہ مشروط ہے اس دوسرے شوہر کے طلاق دیدینے کے

صفحہ ۱۰۹ کی بقیہ حاشیہ [۱] لا تقربوا الصلوٰة و انتم سکٰرٰی میں صلوٰة کا لفظ نماز کے معنی میں نہیں بلکہ
مسجد کے معنی میں ہے۔ جو اسکے بعد کے ٹکڑے الا عابری سبیل سے ظاہر ہے۔ عبور راہ کسی مکان کسی جگہ
سے ہوگا نہ کسی عمل و فعل سے ۱۲ منہ غفرلہٗ۔ [۳] کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصود رفع ایراد یا الزام وہی
ہوتا ہے یعنی ما بعد حتی سبب تو ہوتا ہے اور ما قبل حتی مُسَبَّب بھی۔ مگر متکلم کا منشا یہ ہوتا ہی کہ
فلان بات جو نہیں ہوتی ہے تو فلان سبب سے نہیں ہوتی ہے یا جبتک یہ سبب باقی رہیگا فلان بات
نہ ہوگی اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ الزام فعل ماقبل حتے پر نہ دو بلکہ فعل ما بعد حتے پر دو۔ جیسے ذلک
ان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ مقصود قائل
تبارک و تعالیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو کچھ نعمتیں دے کر چھین لیں تو اس نے ظلم نہیں کیا، جب اس قوم نے خود
اپنی ذات میں برا تغیر پیدا کیا تو اللہ نے بھی اپنی دی ہوئی نعمتوں میں برا تغیر پیدا کر دیا الزام اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے اس قوم
پر ہے مگر یہاں بھی ایک طرح کی توقع دلائی گئی ہے کہ جس قوم کی حالت خراب ہے اگر وہ اپنے عقائد و عبادت و اخلاق
و معاملات میں اب بھی اچھا تغیر پیدا کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کے حالات کو سدھار دیگا۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ۔

ساتھ ۔ تو اگر یہ مختلعہ اپنے اس پہلے شوہر سے پھر ملنا چاہتی ہے تو وہ اس دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔ طلاق کا لفظ عام ہے اسلئے عام رہیگا ۔ چاہے شوہر خود سے اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس عورت کی استدعا پر ۔ خلوت کے بعد یا خلوت ومساس سے پہلے ۔

ایک بات اور بھی اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہاں فان طلقہا سے مراد طلقہا بعد استطلاقہا ہے اور قبل مساسہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں فان طلقہا کے بعد فوراً فلا جناح علیہما ان یتراجعا ہے اور طلاق کے بعد فوراً بغیر عدت کے اس عورت کا پہلے شوہر کے ساتھ تراجع جبھی ممکن ہے کہ دوسرا شوہر خلوت ومساس سے پہلے طلاق دیدے ، یا یہ عورت اس سے خلع کرالے ۔ صرف خلع بغیر کچھ مال دیئے یا کچھ دے کر ہی سہی ۔

اگر کوئی کہے کہ ان یتراجعا کے بعد بعد عدتہا محذوف ہے ۔ کیونکہ ہر مطلقہ پر عدت فرض ہے ۔ جب دوسرا شوہر طلاق دیگا تو وہ پہلے عدت پوری کریگی اس کے بعد ہی پہلے شوہر سے تراجع کریگی ۔

تو میں کہونگا کہ قرآن مجید کے رو سے عدت اسی مطلقہ پر فرض ہے ۔ جس کو شوہر از خود طلاق دے اور وہ طلاق رجعی ہی ہوتی ہے ۔ یہاں فان طلقہا سے طلاق رجعی مراد نہیں ہوسکتی ۔ کیا دوسرا شوہر طلاق دیکر عدت سی پہلے امساک کرلے تو وہ مختلعہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائیگی ؟ بغیر تسریح کے حلال نہوگی ۔ اس لئے یہاں طلاق سے وہی طلاق مراد ہے جس سے فوراً تسریح ہو جائے جیسے غیر ممسوسہ کی اور مختلعہ کی طلاق ۔ ہاں چونکہ لفظ عام ہے اس لئے اگر اس عورت نے دوسرے شوہر سے طلاق نہیں مانگی اور نہ شوہر نے از خود خلوت ومساس سے پہلے طلاق دی ۔ خلوت کے بعد طلاق دی اور خود سے طلاق دی اور عدت میں امساک بھی نکیا عدت کے بعد تسریح کردی تو اس صورت میں اگر یہ چاہے اور پہلا شوہر راضی ہو تو یہ اس سے تراجع کر سکتی ہے ۔ فان طلقہا سے مراد چونکہ طلاق تسریحی ہے اس لئے چاہے وہ ایسی

طلاق ہو جس سے فوراً تسریح ہو جائے جیسے غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق ہے
چاہے طلاق تو رجعی تھی مگر شوہر نے امساک نہ کیا اور عدت گذار کر اس نے
تسریح کر دی۔ اس لئے یہاں فان طلقھا میں تسریحی طلاق مراد ہے اس لئے
کہہ سکتے ہیں کہ یہاں طلاق بمعنی تسریح ہے۔ مگر تسریح بمعنی طلاق کہیں نہیں ہے

ایک قابل غور بات

فان طلقھا یعنی دوسرے شوہر نے اگر طلاق
دیدی۔ اس کے متعلق مفسرین فقہاء کے
اتباع میں اور فقہاء روایات کے اتباع میں لکھ دیتے ہیں کہ اگر دوسرا شوہر
بھی اتفاقاً طلاق دے یعنی کسی دوسرے مرد سے یہ طے کر کے نکاح نہ کیا جائے
کہ تم ایجاب وقبول کے بعد جماع ومساس کے قبل ہی مجھکو طلاق دیدیجیو اور نہ
یہ کہ ایک شب دو شب اپنے ساتھ رکھکر ہی سہی مجامعت کے بعد ہم کو طلاق
دیدیجیو۔ بلکہ کوئی اتفاقی سبب ایسا ہو جائے کہ یہ دوسرا شوہر بھی اسکو
بطور خود طلاق دیدے۔ مگر یہ اتفاقی طلاق تو ایک امر موہوم ہے۔ کوئی
شخص بھی کسی سے نکاح کرتا ہے تو طلاق کا بھی ارادہ دل میں رکھ نہیں لیتا
ہے۔ اور نہ زن وشوییں سے کسی کو بھی نکاح کے وقت طلاق کا وہم بھی پیدا
ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر موت تو ہر شخص کے لئے ہے۔ اگر یہاں اتفاقی
طلاق مراد ہوتی تو یقیناً فان طلقھا او مات ضرور فرمایا جاتا۔ مفسرین
جو اپنی طرف سے فان طلقھا کے بعد او مات لکھدیتے ہیں جیسے نعوذ باللہ
اللہ تعالےٰ او مات کہنا یہاں پر بھول گیا تھا۔ مفسرین اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں
یہاں فان طلقھا صرف فرمانا اور اس کے بعد او مات نہیں کہنا
اس کی کھلی دلیل ہے کہ یہاں اتفاقی طلاق مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہاں وہی طلاق
مقصود ہے جو اس مختلعہ کے اختیار میں ہو۔ جس کو وہ حاصل کر سکتی ہو۔ چاہے
پہلے سے وہ اس دوسرے شوہر سے باتیں طے کر لے کہ تم خلوت سے پہلے ہی مجھکو
طلاق دیدیجیو۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو دو ایک شب کے بعد ہی سہی ساتھ
رکھکر ہی طلاق دیدیجیو۔ چاہے ایجاب وقبول کے بعد یہ عورت دوسرے شوہر
کو کچھ مال دے کر خلوت سے پہلے یا بعد اس سے طلاق لے لے۔ مگر چونکہ بہر حالی

طلاق دینا شوہر کے اختیار میں ہے اس لئے فان طلقھا فرمایا مگر اس دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرنا اس عورت کے اختیار میں بھی ہے۔ اور موت کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور نہ کسی کے مرنے کا وقت کسی کو معلوم ہوسکتا ہے یہاں چونکہ مختلعہ بالمال کو جو پہلے شوہر کے لئے عدم حلت کا فرمان ملا۔ اور پھر توقع بھی دلائی کہ عدم حلت کا حکم اٹھ جاسکتا ہے اگر تو کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔ اب جو دوسری وجہ اس پہلے شوہر کیلئے عدم حلت کی ہے۔ منکوحہ غیر ہونے کی اسکو بھی تو اس سے طلاق لے کر رفع کرسکتی ہے۔ طلاق اختیاری بات تھی اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ موت اختیاری بات نہ تھی اس لئے فان طلقھا کے بعد او مات نہیں فرمایا۔ کہیں اگر اتفاقاً دوسرے شوہر کی موت نکاح کے بعد واقع ہوجائے دو چار دن بعد یا دو چار گھنٹے کے بعد تو حتی تنکح کے یہ عدم حلت کا حکم تو اٹھ چکا تھا۔ فان طلقھا اس) حرمت کے اٹھنے کی شرط میں داخل نہیں ہے جو خلع بالمال کے باعث پیدا ہوگئی تھی بلکہ منکوحہ غیر ہونے کے سبب سے جو ایک دوسری وجہ حرمت پیدا ہوگئی تھی اسکے رفع کے لئے فان طلقھا فرمایا گیا ہے اور یہ دوسری وجہ حرمت جس طرح طلاق سے رفع ہوسکتی ہے موت سے بھی رفع ہوسکتی ہی ۳۶ ۳۷ قولہ تعالے فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ ط

تو اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو یہ عورت اور اس کا وہ پہلا شوہر دونوں ایک دوسرے کی طرف (نکاح جدید کے ذریعے) لوٹ جائیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ سے یہاں تک دیکھ جائیے اور انصاف کی نظر سے دیکھیے۔ اللہ تعالے سے اور بازپرس آخرت سے ڈرتے ہوئے کہ وہاں سے یہاں تک ایک ہی سلسلے کی باتیں ہیں یا نہیں؟ فلا جناح علیھما میں جس طرح ایک عورت مفتدیہ اور ایک مرد مستفدی کی طرف تثنیہ غائب کی ضمیر پھر رہی ہے۔ انہیں دونوں میں سے مستفدی شوہر کی طرف پہلے فان طلقھا کے طلق کی ضمیر فاعل اور مفتدیہ کی طرف ضمیر مفعول پھر رہی ہے یا نہیں۔ پھر فلا

تحمل کی ضمیر فاعلی مفتدیہ کی طرف اور لہ کی ضمیر مجرور مستفدی کیطرف پھر تنکح کی ضمیر مؤنث غائب مفتدیہ کی طرف اور غیرہ کی ضمیر مجرور مستفدی کی طرف۔ پھر فان طلقھا کی ضمیر مفعول واحد مؤنث غائب اسی مفتدیہ کی طرف پھر فلا جناح علیھما کی ضمیر تثنیہ غائب انہیں دونوں مفتدیہ و مستفدی کی طرف پھر ان یتراجعا کی ضمیر تثنیہ اور ظنا کی پھر ان یقیما کی ضمیر یں جو تثنیہ ہی کی ہیں انہیں دونوں مفتدیہ و مستفدی کی طرف صاف طور سے پھر رہی ہیں یا نہیں؟ خدا لگتی کہو، کچھ تو ڈرو روز قیامت سے۔

یاد رکھیے اگر آپ نے دیانت کی بات نہ کہی۔ اور اپنے ائمہ مجتہدین و محدثین و راویان حدیث کی بیجا پالائش بالکل زمانہ جاہلیت والی حمیت کی طرح کرتے رہے۔ تو باللہ العظیم قیامت کے دن ان میں سے کوئی بھی آپ کے کچھ کام نہ آئیگا۔ اور آپلوگ اللہ تعالےٰ کی بہت سخت باز پرس میں پڑینگے۔ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن ؛ از خدا ترس و کار ایماں کن

۳۸ ؎ قولہ تعالےٰ وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون ۰ (آیت ۲۳)

چونکہ اس آیت میں بھی جو جملہ معترضہ کے بعد شروع ہوا ہے چند باتیں مذکور ہیں عورت سے فدیہ لیکر شوہر کا طلاق دیدینا۔ اس فدیہ کے لین دین کے بعد طلاق پانے کے باعث اس مفتدیہ عورت کا اس مستفدی شوہر کے لئے قطعی حرام ہو جانا۔ اور اس حرمت کا اس وقت تک باقی رہنا جبتک وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ پھر اس دوسرے شوہر سے اس کا طلاق پانا پھر پہلے شوہر کے ساتھ اس کا تراجع۔ اس لئے فرمایا وہی نہیں جو جملہ معترضہ سے پہلے مذکور ہوئیں بلکہ یہ سب باتیں بھی فرد فرد حدود اللہ ہی میں ہیں۔ اللہ اپنے ان حدود کو ایسی قوم کے لئے بیان فرما رہا ہے جو علم رکھتی ہے اس کے حدود کی عظمت و حرمت کو جانتی ہے۔

۳۹ ؎ لقوم یعلمون۔ علم کا اصل مرکز و مستقر تو دماغ ہے مگر اس علم کی روشنی سے قلب منور ہو جاتا ہے اور قلب اگر امراض قلب میں مبتلا نہیں ہے تو اس کی فطری سلامت روی بہت اچاگر ہو جاتی ہے اور پھر اپنے ساتھ وہ دماغ کو بھی سلامت روی کی تلقین کرتا ہے لیکن بعض لوگ اپنے قلب کو

ہوا و ہوس اور عصبیت جاہلیت و غلو اور پھر ان سب کے ساتھ ضد اور ہٹدھرمی کی تاریکیوں سے بھر رکھتے ہیں اس لئے اگر ان کے دماغ میں علم ہوتا بھی ہے تو وہ ان کا علم ان کے قلب کو مطلق روشنی نہیں پونہچاتا۔ الٹا دماغ قلب کے ان امراض سے متأثر ہو کر بطور خود اپنے علم سے کام لینے لگتا ہے اور یہ امراض قلب دماغ کو بھی مختل کئے بغیر نہیں رہتے اس لئے دماغ اس علم سے ہدایت کا نہیں بلکہ ضلالت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر انسان اضلہ اللہ علی علم کا مصداق ہو جاتا ہے۔ ایسی جگہوں میں قلب سلیم ہی والے اہل علم مراد ہوتے ہیں۔ جو حدود اللہ کی اہمیت و عظمت کو سمجھتے ہیں۔ اور کبھی ان حدود سے باہر نہیں نکلتے۔

۲۳ قولہ تعالیٰ واذا طلقتم النساء۔ دیکھئے وہ فدیہ دینے والی اور فدیہ لینے والے زن و شو کے متعلق سارے مسائل ختم ہو گئے تو اب پھر عام طلاق دینے والوں کے متعلق بیان فرمایا جارہا ہے اور وہ سلسلہ کلام پھر شروع ہو گیا جو دو زن و شو کی خاص حالت بسبب طلاق یا بسبب استطلاق شوہر کے مطالبہ مال یا عورت کے اقتدار کے متعلق مسائل سے پہلے عام طور سے طلاق دینے والے شوہروں اور طلاق پانے والی عورتوں کے بارے میں بصیغہ جمع چلا آرہا تھا۔ تو حسب دستور شوہروں کو بصیغہ جمع مذکر حاضر اور عورتوں کو النساء کہکر یا بصیغہ جمع مؤنث غائب ذکر کیا گیا ہے جملہ معترضہ کے بعد فان طلقہا کا عطف اگر الطلاق مرتٰن پر ہوتا تو یقیناً آیت نمبر ۲۳۰ کی سب ضمیریں جمع کی ہوتیں۔ کیونکہ جس طرح الطلاق مرتٰن عام طلاق دینے والوں کے لئے ہے اسی لئے اس پر عطف جو ولا یحل لکم ان تاخذوا الآیۃ کا ہے اس میں سب ضمیریں جمع ہی کی آئی ہیں اسی طرح عام طلاق دینے والوں کے متعلق آیت ۲۳۰ میں بھی احکام ہوتے تو اس آیت کی بھی ساری ضمیریں جمع کی آتیں۔

یہاں سے البتہ پھر عام مخاطبت ہے اسلئے شوہروں کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اذا طلقتم النساء۔ یہاں النساء پر لام عوض مضاف الیہ ہے یعنی نساءکم جب اپنی بیویوں کو طلاق دو اذا حرف شرط ہے اور ظرف زمان

بھی۔ جس جملے پر اذا آئیگا وہ جملہ شرط ہوگا۔ مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ جس زمانے میں بھی اس جملہ شرط کے مفہوم کا وقوع ہوگا ضروری ہے کہ جملہ جزا کا بھی اس زمانے میں فوراً ہی وقوع ہو۔

۱۱۵ و ۱۱۶ قولہ تعالیٰ فبلغن اجلھن اس کا عطف تعقیبی اسی جملہ شرط پر ہے اسلئے اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن تک شرط ہے۔ اجل کہتے ہیں کسی مدت معینہ کے آخری لمحے کو۔ مطلب یہ ہے کہ اے طلاق دینے والو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے کر اپنے ارادۂ فسخ نکاح کی خبر دے چکو اور وہ تین حیضوں والی اپنے تربص کی مدت کے آخری لمحے تک پہونچ جائیں۔

۱۱۷ و ۱۱۸ قولہ تعالیٰ فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف تو اپنی مطلقات کو یا تو روک لو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت میں رہنے دو) یا ان کو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت سے آزاد کر کے رخصت کر دو۔

"جب اپنی عورتوں کو طلاق دو" کس قدر عام حکم ہے نہ کوئی قید تعداد کی ہے نہ کوئی قید نوعیت طلاق کی ہے۔ نہ کوئی قید نیت طلاق کی ہے جس نیت سے، جن لفظوں کے ساتھ، جتنی مرتبہ بھی شوہر اپنی عورت کو طلاق دے، عدت کے آخری لمحے تک اس کو امساک کا یعنی اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کر لینے کا حق علی الاعلان یہ آیت دے رہی ہے کس کی مجال ہے جو قرآن مجید کی اس بیانگ دہل اجازت سے کسی طلاق دینے والے مسلمان کو محروم کر دے چاہے اس نے تین نہیں تین ہزار بھی طلاق تین حیضوں تک روزانہ صبح شام دوپہر تینوں وقت ہی کیوں نہ دیتا رہا ہے۔

یہی نہیں۔ سورہ طلاق کی بھی دوسری ہی آیت میں ارشاد ہے۔ بالکل اسی طرح واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف۔ سب الفاظ بالکل وہی ہیں جو سورہ بقرہ کی آیت زیر بحث میں ہیں۔ صرف سرحوھن کی جگہ یہاں فارقوھن

ہے جس سے تسریح کے معنی معلوم ہوگئے کہ اپنے سے جدا کر دینا۔ رخصت کر دینے اور اپنے سے جدا کر دینے میں نفس مفہوم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اہل لغت قرآنی الفاظ کے معنی خود قرآن مجید ہی سے شاذونادر ہی لیتے ہیں غیر ثقہ عجمی راویوں کے تفسیری غیر معتبر اقوال سے زیادہ تر لیا کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ تسریح اور سراح کے معنی "طلاق" لکھدیتے ہیں۔ حالانکہ تسریح اور سراح کا لفظ پورے قرآن مجید میں ایک جگہ بھی طلاق کے معنی میں نہیں آیا ہے۔ طلاق کا لفظ البتہ مجازاً کبھی تسریح کے معنی میں آجاتا ہے چونکہ طلاق نام ہے ارادۂ فسخ نکاح کے اظہار کا۔ امساک سے تو یہ ارادہ ہی فسخ ہو جاتا اسلئے طلاق باقی ہی نہیں رہتی۔ عدت ختم ہو جانے کے بعد تسریح ہی سے طلاق کی یعنی ارادہ فسخ نکاح کی تکمیل ہوتی ہے۔ تو ابتدا طلاق سے ہوتی ہے اور خاتمہ تسریح پر ہوتا ہے۔ اول با آخر نسبتے وارد[ع]۔ اس لئے مجازاً کبھی طلاق کو بمعنی طلاق تسریحی کہدیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسے اسی آیت ۲۳۰ (سورہ بقرہ) میں فان طلقہا دو جگہ ہے اور دونوں جگہ طلاق تسریحی مراد ہے۔ اسلئے اگر کوئی طلقہا کی تفسیر میں اسے سرحہا لکھدے تو غلط نہ ہوگا۔ مگر اسکو سمجھنا چاہیئے کہ طلاق کے لفظ سے طلاق تسریحی کسی جگہ مراد ہوتا اور بات ہے۔ اور طلاق کے معنی ہی تسریح ہوتا اور بات۔ جیسے کہیں کہ ہر مسلمان کو چار شادی بیک وقت کرنے کی اجازت ہے۔ گو مراد یہاں مسلمان مرد ہیں۔ مگر مسلمان کے معنی مرد نہیں ہیں۔ اسی طرح "طلاق" کا عام لفظ بول کر اس کی ایک قسم مراد لینے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ دونوں لفظ مرادف ہوگئے اور جہاں مفہوم عام مراد لینا ہو وہاں بھی اس کی اس خاص قسم کا نام استعمال کر سکتے ہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

<u>۲۴۵ و ۲۴۶</u> قولہ تعالےٰ ولا تمسکوھن ضرارًا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہٗ طلاق دینے والے شوہروں سے فرمایا گیا ہے کہ تم اپنی مطلقات کو جو اپنی زوجیت میں روک لو، اور اپنے ارادہ فسخ نکاح سے

ع آخر بہ اول نسبتے وارد تو مشکل نہیں ہے ۱۲ منہ

رجوع کرو تو ان کو دق کرنے پریشان کرنے اور ستانے کے لئے نہیں۔ کہ ان کو اپنی زوجیت میں رکھکر ان پر زیادتی کرتے رہو۔ یاد رکھو جو ایسا کریگا وہ آپ اپنے پر ظلم کریگا۔

۲۷ے قولہ تعالیٰ ولا تتخذوا آیات اللّٰہ ھزوًا ط اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ۔ اس کے مخاطب بظاہر تو طلاق دینے والے شوہر ہی ہیں۔ یعنی شوہروں کو کہا جاتا ہے کہ تم کو بتقاضائے ضرورت طلاق دینے کی اجازت جو دی گئی ہے۔ اور عدت کے اندر امساک کا بھی حق دیا گیا ہے تو اب ایسا نہ کرو کہ جب کسی بات پر غصہ آیا بغیر شرائط طلاق کو ملحوظ رکھے زمانہ جاہلیت کی طرح غصے میں بیوی کو طلاق دیدیا کرو اور جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر امساک کر لیا کرو۔ اور ایسا بار بار کرتے رہو۔ یہ درحقیقت اللہ تعالےٰ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک اللہ کی آیتوں کو ہنسوانا ہے۔

مگر اس کے مخاطب وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو منافقین عجم کی مخالف قرآن مجید غیر منصفانہ وظالمانہ اور مخرب معاشرہ متشددانہ من گھڑت حدیثوں کے مطابق آیات قرآنیہ میں لفظی ومعنوی تحریفیں کر کے ایسے مسائل نکالے ہیں جن سے اللہ تعالےٰ کی بخشی ہوئی آسانیاں دشواریوں سے بدل جاتی ہیں اور زن وشو کے درمیان بلاوجہ تفریق پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اغیار کو ان قوانین پر جن کو یہ لوگ قرآنی واسلامی قوانین کہکر پیش کرتے ہیں ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

۴۸ے قولہ تعالےٰ واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم وما انزل علیکم من الکتٰب والحکمۃ یعظکم بہ اور یاد رکھو اللہ تعالےٰ کے احسانوں کو جو تم پر ہیں اور جو اس کتاب[عہ] اور حکمت کی باتیں اس نے تم پر اتاری ہیں جن سے وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے۔ زن وشو کے درمیان جو معاشرے کی خرابیاں اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اور دوسری قوموں میں تھیں ان سب کی اصلاح اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کی آیتوں کے ذریعے کر دی اور حکمت کے اہم ترین ابواب تہذیب الاخلاق اور تدبیر المنزل اور حسن معاشرت کی تعلیم اور ان ضروریات زندگی سے متعلق ہر طرح کی نصیحتیں

عہ "الکتاب" سے مراد قرآن ہے حقوق اللہ اور الحکمۃ سے مقصود احکام حقوق العباد ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

ترغیب و ترہیب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں جو قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ حکم ہے اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کو یاد رکھو تاکہ تمہارے قلوب اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے جذبے سے کبھی خالی نہ رہیں۔ اور تم ان آیات قرآنیہ و کلمات حکمت کو یاد رکھو تاکہ ان کے مطابق عمل کرو اور اپنے اہل و عیال سے ان کے مطابق عمل کراؤ تاکہ تمہارا معاشرہ ہر طرح کی خرابیوں سے پاک رہے اور تم جنتی ماحول میں دنیاوی زندگی بسر کرو۔

۴۹ؔ واتقوا اللہ۔ مگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو اور اس کی نصیحتوں کو جبھی یاد رکھ سکو گے اور دنیاوی ماحول میں رہ کر جنتی ماحول اپنے گھروں میں جبھی پیدا کر سکو گے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اتقاء میں ڈرنے کا مفہوم بھی ہے اور بچنے کا مفہوم بھی کسی چیز سے ڈرتے ہوئے اس کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اس سے بچتے رہنا۔ جیسے سانپ سے آگ سے بچنا۔ یا کسی با اقتدار و با اختیار کے ڈر سے اس کی خفگی سے بچنا۔ پہلے مفہوم کی مثال قرآن میں ہے اتقوا النار التی اعدت للکٰفرین اس آگ سے بچتے رہو جو دوزخ میں کافروں کے لئے مہیا رکھی گئی ہے۔ اور دوسرے مفہوم کی مثال یہی آیت ہے اتقوا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو اسکے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

۵۰ؔ واعلموا ان اللہ بکل شیئ علیم ہ (آیت ۲۳۱) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز ہر بات کا علم ہے۔ تم اپنے دل میں جو خواہشیں رکھتے ہو جو جو ارادے کرتے اور رکھتے ہو چاہے تم اسکو کسی پر ظاہر کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جانتا اور اچھی طرح جانتا ہے ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولاً کانوں نے کیا کیا سنا۔ آنکھوں نے کیا کیا دیکھا اور کیسی کیسی نیتیں اور کیسے کیسے ارادے دل میں پیدا ہوتے رہے اور ان کی تکمیل کی کیا کیا تدبیریں سوچتے رہے سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے۔

تو پھر قرآنی آیات کے معانی سمجھنے میں کون کہاں تک قرآن کو قرآن ہی سے ہر طرح سے بالکل خالی الذہن ہو کر سمجھتا ہے۔ کون اپنی خواہش لپنے

کسی خاص نقطۂ نظر کے مطابق قرآنی آیات سے کھینچ تان کر مطلب نکال رہا ہے۔
کون اپنی غالیانہ فرقہ پرستی کے جذبات کے ماتحت قرآنی آیات سے مطلب نکالتا ہے۔
اور کون عجمی راویوں کی من گھڑت حدیثوں کا تابع آیات قرآنیہ کو بنا کر ان آیات
کی تفسیر کر کے اپنی روایت پرستی کا حق ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سب جانتا ہے
اور سب کو جانتا ہے۔ اور حساب و کتاب کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال
اور اسکی نیتوں کے مطابق ہی جزا یا سزا دیگا فیغفر لمن یشاء ویعذب من
یشاء اللّٰھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل
فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رءوف رحیم ۝

وصلے اللہ تعالےٰ علےٰ خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ
واھلبیتہ وبارک وسلم ۔

والحمد للہ رب العٰلمین ۝

تین طلاق کا بھوت

عجمی منافقین و ملاحدہ جو صرف تخریب دین کے لئے جھوٹی حدیثیں
دین کے ہر مسئلے کے متعلق باہم متضاد و متخالف بنا بنا کر کوفہ و بصرہ و خراسان و
نیساپور وغیرہ سے پھیلایا کرتے تھے ان کی گھڑی ہوئی تین طلاق کی روایتیں بہت
زیادہ پھیلیں اور ہر جگہ اس قدر مشہور کی گئیں کہ بڑے بڑے اکابر فقہا و محدثین
کو ان روایتوں کے متواتر ہونے کا یقین ہو گیا اور ان منافقین کے تین طلاق
والی حدیثوں کے پھیلانے میں تین تین مقصد تھے ایک تو تخریب دین دوسرا
تخریب معاشرہ مسلمین تیسرا علےٰ الرغم قرآن مبین کہ قرآن مجید نے تین
طلاق والی رسم جاہلیت کو منسوخ کر کے دو طلاق کی حد بندی کر دی ہے
تو ہم تین طلاق والی رسم جاہلیت کو منسوخ نہ ہونے دینگے۔

اور مسلمانوں میں جاری رکھینگے - اس لیئے اس کی بہت کافی اشاعت کی جس سے عام طور سے فقہاء و محدثین تین طلاقوں کی حدیثوں کو ان کے جھوٹے تواتر کو دیکھکر اس کی صحت کا یقین کرنے لگے - قرآن مجید میں ان کو تین طلاق کا کہیں پتا ملتا نہ تھا پھر الطلاق مرتٰن کی حد بندی بھی دیکھ رہے تھے - مگر منافقین نے پہلے سے اسکو سوچ رکھا تھا کہ قرآن سے تین طلاق کا ثبوت اگر پوچھا جائے تو کیا جواب دیا جائے -

تو ایک حدیث بنائی کہ کسی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ قرآن میں الطلاق مرتٰن کو دیکھتے ہیں ؟ تو پھر تیسری طلاق کہاں گئی ؟ تو آپ نے بتایا تیسری طلاق او تسریح باحسان ہے - یہ حدیث درایۃً اور روایۃً ہر حیثیت سے جھوٹی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے - یہ سوال کہ تیسری طلاق کہاں ہے اسی وقت کیا جاسکتا تھا جب تیسری طلاق کا حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم برابر صحابہ کو دیتے رہتے ہوں کہ جب طلاق دو تو تین طلاق - یا تین طلاق تک تم دے سکتے ہو - اسکے بعد جو آیت اتری الطلاق مرتٰن تو پوچھنے والے نے پوچھا - مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بغیر وحی قرآنی کے دین کا کوئی حکم اپنی طرف سے دیتے ہی نہ تھے - اس لئے یہ سوال ہی غلط تھا - اور اگر یہ سوال کسی نے رسم جاہلیت کے اعتبار سے جاہلی ذہنیت کا تحت کیا بھی تھا تو آپ یقیناً یہی فرماتے کہ تیسری طلاق منسوخ و ممنوع ہو گئی - اب دو طلاق سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے - آپ طلاق واقعہ او تسریح باحسان کو تیسری طلاق کبھی نہ فرماتے -

مگر منافقین نے اس روایت کی کمزوری محسوس کی تو فان طلقہا کے بعد اسے طلقۃ ثالثۃ کا جوڑ لگاکر اس کا عطف الطلاق مرتٰن پر ثابت کرنے کیلئے زور لگایا اور اس کے متعلق کچھ اقوال بعض سلف کی طرف منسوب کرکے روایت کرنے لگے - اس صورت میں ان کو ایک اور مقصد تخریب دین و تخریب معاشرۂ مسلمین کا ہاتھ لگ گیا کہ جو حکم مختلعہ کے لئے تھا اسکو تین طلاق والیوں کے سر تھوپ دیا - اور پھر اسکی تائید کے لئے تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ

کے مطلقہ کا پہلے شوہر سے نہ مل سکنے کی روایتیں بنا بنا کر پھیلانے لگے۔ اور اس قدر پھیلائیں کہ سارے مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین سب نے اس مصنوعی تواتر سے دھوکا کھا کر اس کو تسلیم کر لیا وہ دور ہی تھا انہیں منافقین عجم کے نقار خانہ روایات کی وجہ سے خالص روایت پرستی کا۔ قرآن کی طرف نگاہ غور کوئی ڈالتا ہی نہ تھا۔ مفسرین جو قرآن مجید ہی کی تفسیر لکھ رہے تھے نقار خانہ روایات سے مرعوب تھے۔ کسی نہ کسی طرح تاویلیں کر کر کے آیات کو روایات کا تابع بناتے رہے۔

مگر تین طلاق تسلیم کرنے کے بعد فقہاء کا یہ عالم ہوا کہ تین طلاق بھوت بن کر ان پر مسلط ہو گئی۔ کسی طرح پوری عمر میں بھی شوہر نے اپنی بیوی کو دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دیدی چاہے پچاس برس کے بعد ہی سہی بار بار امساک کے بعد یا بار بار نکاح کے بعد بس تیسری طلاق کے بعد وہ پھر اس شوہر کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہو سکتی اور حلالہ کے ساتھ اس عورت کو جماع کرانا بھی ضروری ہے اور حلالہ کو حلالہ قرار دیکر اس سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں یا کم سے کم ملعون بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہاں تک کہ غیر ممسوسہ جو ایک ہی طلاق میں مسرحہ ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو بھی تین طلاق یکمشت دیدی ہے تو جبتک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اور اس نئے شوہر سے وہ مجامعت نہ کرائے اور وہ بھی اتفاقاً طلاق نہ دیدے پہلے شوہر سے اس کی مطلقہ غیر ممسوسہ کا نکاح ان کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ سمجھنا تھا کہ غیر ممسوسہ تو ایک ہی طلاق میں مسرحہ ہو گئی اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ اسکو تو دوسری طلاق بھی نہیں دی جا سکتی کہ طلاق دی جاتی ہے منکوحہ کو اور اس کا نکاح تو پہلی ہی طلاق سے ٹوٹ گیا تو کیا دوسری طلاق غیر منکوحہ کو دیگا؟ جس کو دوسری طلاق بھی نہیں دی جا سکتی اس کو یہ تیسری طلاق دلوا رہے ہیں اور اس پر خود ساختہ حکم لگا رہے ہیں۔

سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں سے ہے جو حدیثوں کو دین میں حجت نہیں تسلیم کرتے۔ کہ وہ بھی تیسری طلاق کے بعد مطلقہ کو بغیر حلالہ کے

پہلے شوہر پر حرام قرار دے رہے ہیں۔ یہ لوگ تو حدیثوں کو دین میں حجت مانتے نہیں۔ اتباع قرآن مجید کا سب سے زیادہ دعوی رکھتے ہیں بلکہ اصل متبع قرآن مجید وہ آپ اپنے ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور پھر قرآن فہمی کا دعوی بھی دوسروں سے زیادہ رکھتے ہیں۔ یہ کس بنیاد پر تین طلاق کا وجود مانتے ہیں؟ اور تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر تین طلاق والی مطلقہ کو شوہر سے ملنے نہیں دیتے؟ وہی تین طلاق کا بھوت ہے جو روایت پرستوں سے لے کر منکرین حدیث تک سب کے سروں پر مسلط ہے۔

پہلی طلاق کا حساب باقی رہنا

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق کے ماسوا از روئے قرآن ہر طلاق رجعی ہی ہوتی ہے۔ اور یہ تسلیم شدہ ہے کہ رجعی طلاق سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ یعنی رجعی طلاق صرف ارادۂ قطع رشتۂ نکاح کے اظہار کا نام ہے۔ اور صرف ارادۂ فعل کے اظہار کو وقوع فعل نہیں کہا جا سکتا۔ شوہر نے پہلی بار طلاق دیکر صرف قطع رشتہ نکاح کے ارادے کا اظہار کیا تھا۔ رشتہ نکاح کو قطع نہیں کیا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد شوہر نے امساک کر لیا تو معلوم ہوا کہ اس نے رشتۂ نکاح قطع کرنے کا جو ارادہ کیا تھا اس ارادے کو اس نے فسخ کر دیا۔ عورت مطلقہ کی عدت بھی ختم ہو گئی۔ دس برس کے بعد اس نے پھر طلاق دی۔ یعنی پھر ارادۂ قطع رشتہ نکاح کا اظہار کیا تو یہ کہنا کہ یہ الطلاق مرتٰن،، والی دوسری طلاق ہوئی کیسی کھلی ہٹ دھرمی یا جہالت ہے۔ کیونکہ پہلی طلاق کا اب وجود ہی کہاں ہے جو یہ دوسری طلاق قرار پائیگی۔ ایک مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے چار سے زیادہ بیویاں کوئی مسلمان بیکوقت نہیں رکھ سکتا تو جس شخص کی تین بیویاں مر چکی ہوں صرف چوتھی زندہ ہو۔ وہ اب اس چوتھی کے بعد کوئی نکاح کیا نہیں کر سکتا؟ ان تین متوفی بیویوں کا شمار کیا باقی رہیگا؟

امساک کے بعد ارادہ قطع رشتہ نکاح ختم ہو گیا۔ تو پھر اس کی گنتی کیوں باقی رہیگی پہلی طلاق کی گنتی کو امساک کے بعد بھی باقی رکھنے کی غرض

صرف یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد بھی اگر شوہر نے امساک کر لیا۔ اور اسکے بیس پچیس برس بعد بھی کہیں پھر طلاق دیدی تو پہلی دونوں طلاقوں کی گنتی ملا کر اس کو تیسری طلاق قرار دیکر فوراً دونوں کے رشتہ نکاح کو منقطع کرا دیا جا سکے۔ اور پھر بغیر حلالہ کے دونوں کو ملنے نہ دیا جائے۔ یہ درحقیقت اجتہاد و استنباط مسائل نہیں ہے۔ بلکہ شرارت اور کھلی ہوئی شرارت ہے۔

مجھ پر اعتراض

یہ لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تم کوئی حد طلاق کی متعین نہیں کرتے ہو تو کتنے لوگ ہر ہفتے بلکہ ہر روز بیوی کو طلاق دیا کرینگے۔ اور پھر دوسرے دن یا چند گھنٹے کے بعد امساک کر لیا کرینگے۔ اس لئے تین طلاق کے بعد جب تک وہ عورت دوسرے نکاح کر کے اس سے بھی طلاق حاصل نہ کرے پہلے شوہر کے لئے اسکو حلال نہیں ہونا چاہئے۔ یہی صحیح ہے۔

یہ اعتراض مجھ پر نہیں ہے قرآن مجید پر ہے

یہی تو میرا بھی جی چاہتا ہے۔ مگر جو میرا جی چاہتا ہے وہی مطلب کسی نہ کسی طرح میں قرآن مجید سے کھینچ تان کر نکالنا اول درجے کی گمراہی بلکہ قریب بکفر سمجھتا ہوں۔

آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اگر قرآن مجید سے نکلتا ہے تو مجھکو سمجھا دیجئے باللہ العظیم میرے ضمیر نے اگر تسلیم کر لیا میرے دل کی تشفی ہو گئی تو میں مان لونگا اگر کوئی بزرگ یہ فرمائیں کہ شاید تو با وجود شہادت ضمیر کے ہٹدھرمی کرے اور کہے کہ میرا ضمیر نہیں مانتا میری تشفی نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ تیرے ضمیر نے مان لیا ہے اور تیری تشفی ہو گئی ہے۔ تو میں صاف کہتا ہوں کہ ہٹ دھرمی کرنے والے پر جو دین کے کسی مسئلے میں بھی ہٹدھرمی کرے اور ضمیر و قلب کی شہادت کے خلاف بیان کرے اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت اور سارے لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ مگر آپ لوگوں سے بھی اسی طرح عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی باز پرس سے ڈریئے اور اللہ کیلئے ہٹدھرمی نہ کیجئے۔ تشفی قلب و شہادت ضمیر کا ثبوت تو واضح ہے۔ اگر آپ کے

دلائل کو میں قطع نہ کرسکوں اور واضح دلائل سے آپ کی دلیلوں کو غلط ثابت نکر سکوں پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہوں تو یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ میرے دل کی تشفی آپ کی دلیلوں سے ہو چکی ہے میرا ضمیر آپ کے دعوے کو آپ کی پیش کردہ دلیلوں کی وجہ سے یا کسی وجہ سے بھی صحیح مان چکا ہے۔ اسکے بعد بھی اگر اپنے قول اور اپنے خیال سے رجوع نہ کروں تو بے شک میں ہٹ دھرم اور مستحق لعنت ہونگا۔

مگر آپ حضرات اگر میرے دلائل کا جواب معقول نہ دے سکیں اور میرے دعووں کو بھی تسلیم نہ کریں نہ میرے دعووں کو مانیں نہ میرے دلائل کا معقول جواب دے سکیں تو پھر آپ خود اپنے متعلق جو مناسب سمجھے فرمایئے۔ میں اپنے قلم سے کچھ نہ لکھونگا۔

میرے محترم بزرگو! بھائیو! عزیزو! اللہ شاہد ہے کہ اسلاف کرام رحمہم اللہ کا احترام میرے دل میں بھی کافی ہے۔ مگر قرآن مجید کی عظمت و حرمت کے برابر نہیں۔ میں قرآن مجید کے ساتھ الحاد و ظلم کو مطلق برداشت نہیں کرسکتا۔ جہاں میں کھلم کھلا قرآنی آیتوں کے ساتھ تعدی و ظلم دیکھونگا جس کے قلم سے بھی ہو میں اس کا قلم توڑ دونگا اس کا ہاتھ مڑوڑ دونگا چاہے وہ ہمارے آباء و اجداد میں سے کوئی ہو یا پیران سلاسل میں سے یا اساتذہ میں سے۔ چاہے وہ ساری دنیا کے نزدیک مسلم الثبوت مرشد کامل و شیخ الشیوخ و مجتہد اعظم و مفسر اکرم اور امام المحدثین والفقہاء ہی کیوں نہ ہوں۔

مگر میں اتنا جاہل نہیں ہوں کہ اپنے آپ کو بھول چوک اور غلط فہمی سے بالاتر سمجھوں بلکہ مجھکو اپنی علمی کم بضاعتی کا بھی پورا پورا علم ہے اس لئے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میں اپنی جہالت کی وجہ سے کسی آیت کے معنی غلط سمجھ رہا ہوں۔ اگلے ہی مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین مجھ سے علم میں زیادہ نہ تھے بلکہ اس وقت بھی ہزاروں علماء دنیا میں اور اس پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی تقسیم علوم دینیہ ادبیہ کے ہر شعبے میں بہت زیادہ مہارت رکھتے ہونگے۔ جن کے پاسنگ میں بھی

میں نہیں آسکتا۔ اسی لئے تو یہ کتاب آپلوگوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ اس میں جہاں جہاں مری جہالت ہو مری غلط فہمی ہو اور میری بھول چوک ہو اس سے دلائل کے ساتھ مجھے حسبۃً للہ مطلع فرمایئے اور مجھکو غلط فہمی اور جہالت کی گمراہی سے بچاکر ثواب آخرت حاصل کیجئے اور مجھکو ممنون فرمایئے۔ باللہ العظیم میں زندگی بھر آپ کا شاکر دانہ شکر گذار رہونگا۔ اور آپ کو اپنا استاد و مرشد سمجھونگا۔

اور اگر میرے دلائل صحیح ہیں آپ ان کو توڑ نہیں سکتے۔ اگلوں پر جو میرے اعتراضات ہیں آپ ان کے جوابات نہیں دے سکتے تو اللہ کے لئے ضد اور ہٹدھرمی نہ کیجئے اور اسلاف کی حمایت میں اگلوں کا بھرم رکھنے کے لئے قرآن مجید پر ظلم نہ کیجئے۔ اسلاف سے کہیں زیادہ قرآن مجید اس کا مستحق ہے کہ آپ قرآن مجید کا احترام کیجئے۔ قیامت کے دن جس وقت اللہ تعالےٰ کے حضور میں اور میری یہ کتاب اور اس کے مخاطبین کی حیثیت سے آپ لوگ پیش ہونگے اس وقت ہزار رسالہ اجماع والے مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین آپ کے کچھ کام نہ آئینگے۔

ہوسکتا ہے کہ غلو فی المرویات کی وجہ سے میرے یہ سب دلائل اسلاف کے ذہن میں نہ آئے ہوں اور وہ ان موضوع حدیثوں کو صحیح سمجھکر اتباع سنت کے خیال سے تین طلاق اور اسکے لئے حلالہ اور طلاق بائنہ وغیرہ کے قائل ہوگئے ہوں۔ اور چونکہ ان کی نیت اتباع سنت کی تھی اس لئے ان کی متفق علیہ خطائے اجتہادی معاف فرمادی جاے۔ اور مجھکو امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ ایسا ہی ان شاء اللہ تعالےٰ ہوگا۔ مگر آپ حضرات کے سامنے اسلاف کی خطائیں دلائل واضحہ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں آپ اگر ان مہر نیمروز کی طرح واضح و روشن دلائل و براہین کے باوجود ان سے صرف نظر کرکے اپنی کورانہ تقلید پر قائم رہینگے تو یقیناً اپنے کو آپ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ کا مصداق بنائینگے۔ اور یہ قرآن مجید پر ظلم کرنے والوں کی فہرست میں آپ سب لوگوں کے نام ثبت ہونگے فاتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون۔ واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔

آپنے جو اعتراض مجھ پر فرمایا ہے وہ مجھ پر نہیں وارد ہوتا - اسلئے کہ جو ایک فرضی اور وہمی دشواری آپ محسوس کر رہے ہیں - اگر آپکے نزدیک اس کا وہی حل ہے جو آپ فرماتے ہیں تو اسکو قرآن مجید سے ثابت کیجیے - ورنہ کہیے کہ قرآن مجید نے اس دشواری کا کوئی حل نہیں بتایا ہے اس لئے ہم لوگ خود اپنی عقل سے اس دشواری کا حل نکالنے پر مجبور ہیں اور پھر قرآن مجید کے دعوے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِن شَيْءٍ اور نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے نعرے روایت پرستوں کے سامنے لگانا چھوڑ دیجیے - اور جب آپکے نزدیک بھی نعوذ باللہ قرآن مجید ناقص ہے - بعض ضروری دینی دشواریوں کا حل قرآن مجید میں نہیں بتایا گیا ہے تو آپ ان دشواریوں کا حل اپنی عقل سے سوچ کر نکالتے ہیں - اور روایت پرست احادیث منسوبہ برسول سے ان کا حل نکالتے ہیں - آپ اپنی عقل کا اتباع کرتے ہیں اور وہ اپنی دانست میں رسول کا اتباع کر رہے ہیں فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ؟ اپنی عقل کا اتباع کرنے والا اچھا یا رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والا ؟ اگر آپ فرمائیں کہ حدیثوں میں موضوعات و مکذوبات بہت ہیں ان کا اعتبار کیا ! تو میں کہونگا کہ عقلیں غلط کار اور اتباع ہوا کرنے والی بہت ہوتی ہیں - اسلئے گمراہی کا خطرہ دونوں کے لئے یکساں ہے مگر ادھر نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے اور آپکا حال تو ویسا ہی برا ہے اور نسبت ندارد - اور اگر ہے تو ہوائے نفس کی طرف قرآن مجید نے تو اسی قسم کی دشواریوں کے حل کے لئے فرما دیا ہے اسی طلاق ہی کے سلسلے کی زیر نظر آیتوں میں سے آخری آیت میں کہ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا - اللہ تعالٰے کی آیتوں کو ٹھٹھا مذاق نہ بناؤ -

جو شخص صبح شام نہیں ہر ہفتے یا ہر مہینے ہی سہی بلکہ ہر سال سہی بیوی کو طلاق دیا کرے اور امساک کر لیا کرے تو یقینًا اس نے طلاق کو مذاق بنا لیا ہے اور قرآنی آیتوں کے ساتھ وہ ٹھٹھا کر رہا ہے - بار بار جلدی جلدی کوئی طلاق دیگا اور ہر مرتبہ رجوع کر لیگا تو وہ قرآنی طلاق ہی کب ہوگی - وہ تو ہزار سالہ اجماع والی مولویانہ طلاق ہوگی کہ جب اور جسوقت چاہا طلاق دیدی - قرآن مجید کے رو سے وہ طلاق ہی کب ہے ایک فعل لغو ہے جو غصے میں اس سے صادر ہو گیا یا ہو جاتا ہے - جہالت سے یا غصے کی بے اختیاری میں ایسا اس سے ہو جاتا ہے تو وہ یقینًا معاف ہے - جہالت سے ایسا کرتا ہے تو کسی صاحب

علم کو چاہیئے کہ اس کو سمجھا دے کہ ایسا نہ کرے یہ دین کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے اس لیئے سخت گناہ ہے وہ توبہ کر لیگا اور پھر ایسا نہیں کریگا۔ اور جب قرآن مجید کے رو سے ایسی طلاق طلاق ہی نہیں ہے تو امساک رجوع کا سوال ہی کیا ہے۔

قرآنی طلاق تو ایک طہر کو مجامعت سے خالی رکھکر اس کے بعد جو حیض آئے اس حیض سے پاک ہونے کے بعد شوہر کو ایک طلاق دینا چاہیئے۔ اس کے بعد جب حیض آئے جو عدت طلاق کا پہلا حیض ہوگا۔ اس سے جب عورت پاک ہو تو ضرورت اگر سمجھے تو پہلی طلاق کی تاکید و توثیق کے لیئے دوسری طلاق بھی دیدے۔ کیا اس اہتمام کے ساتھ کوئی بار بار طلاق دے سکتا ہے؟ آپ گفتگو کرینگے قرآن سے اور جو طلاقیں یا طلاق دینے کے طریقے قرآن سے باہر فقہاء نے اختراع کر لیئے ہیں یا عوام نے جن کو رواج دے رکھا ہے، اور ان سے جو دشواریاں پیدا ہوئی ہیں ان دشواریوں کا ذمہ دار ٹھہرائیں قرآن مجید کو یہ کون سا انصاف اور انداز بحث و نظر ہے؟ فقہاء کی اپنی پیدا کردہ دشواریوں کا حل آپ قرآن مجید سے کون پوچھنے والے۔ اگر پوچھنا ہے تو فقہاء سے پوچھیئے قرآنی طلاق دینے والا قرآنی آیات کو کبھی ٹھٹھا نہیں بنا سکتا۔ آخر کتاب ہیں ہزار سالہ اجماع امت کو قرآن مجید سے زیادہ واجب الاتباع سمجھنے والے علمائے کرام سے میرا بھی ایک سوال ہے۔

تیسرا سوال علماء سے قرآن مجید نے تو صرف دو ہی قسم کی طلاقیں رکھی ہیں تسریحی جو ایک بار ایک طلاق دی جاتی ہے اور اس سے فوراً نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ایسی طلاق صرف غیر ممسوسہ اور مختلعہ ہی کو دی جاتی ہے۔ اور ان دونوں پر عدت طلاق بھی فرض نہیں۔

دوسری طلاق امساکی ہے جسکو آپ لوگ رجعی کہتے ہیں از روے قرآن مجید وہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق کے سوا ہر طلاق ہے۔ اور ایسی طلاق کے بعد مطلقہ کے لئے عدت فرض ہے۔

آپ اجماع امت والے صرف ایک طلاق یا دو طلاق کو رجعی کہتے ہیں اور

الطلاق مرتٰن سے اس کے سند پکڑتے ہیں۔ تین طلاق کے آپ لوگ قائل ہیں جسکو زبردستی خلاف اصول ادب عربی فان طلقہا کے بعد اپنی طرف سے طلقۃً ثالثۃً بڑھا کر اور اس کا عطف الطلاق مرتٰن پر کر کے بڑی دشواریوں کے ساتھ کبھی اس سے اور کبھی او تسریح باحسان سے تیسری طلاق ثابت کرتے ہیں۔ اور تین طلاق کو مغلظ کہتے ہیں۔

مگر بائنہ غیر مغلظ جو شوہر کی زبان سے نکلی اور فوراً عورت بائنہ ہوگئی یعنی فوراً اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اس پر عورت بھی آپ لوگ فرض قرار دیتے ہیں اور پھر شوہر کو عدت کے اندر امساک کا اور اپنی ہزار سالہ اجماع والی اصطلاح کے مطابق رجعت) کا حق بھی نہیں دیتے یہ بائنہ طلاق قرآن کی کس آیت سے نکلتی ہے۔؟ بینوا توجروا!

شاید آپ فرمائیں کہ الطلاق مرتٰن تو رجعی ہے اور تسریح باحسان بائنہ ہے اور فان طلقہا سے تین طلاق والی مغلظہ طلاق نکلتی ہے۔

تو یہ دھوکا ہوگا۔ اس لئے کہ بائنہ طلاق عدت کے شروع ہونے سے پہلے دی جاتی ہے۔ عدت وقوع طلاق کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور تسریح باحسان ختم عدت یعنی عدت کے بعد کے لئے ہے۔ تو کیا جو چیز عدت ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے اس سے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں اس چیز کو جو عدت شروع ہونے سے پہلے واقع ہوتی ہے؟ کہہ دیجئے کہ ہاں۔ اول بہ آخر نسبتے دارد۔

اور ذرا یہ بھی بتا دیجئے کہ واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف (سورہ بقرہ پ ۲۳۱) اور پھر سورۂ طلاق کے اوائل میں بھی یہی آیت ہے فرق اسی قدر ہے کہ وہاں او سرحوھن کے عوض او فارقوھن ہے تو اس حکم عام سے آپ کی ہزار سالہ اجماع امت والی طلاق بائنہ کس قرآنی دلیل سے مستثنٰی ہوگی۔ مغلظہ کے متعلق تو فلا تحل لہ من بعد جو مختلعہ کیلئے ہے آپ لوگ زبردستی اس حکم کو غریب تین طلاق والی کے سر ڈال چکے ہیں اور اسی غصب شدہ

دلیل کے رد سے آپ مغلظہ کو آیت ۲۳۱ مذکورہ سے مستثنیٰ قرار دے دینگے۔ مگر بائنہ غیر مغلظہ جو آپ کے اجماع امت کے نزدیک ہے وہ کس طرح اس کے حکم عام سے مستثنیٰ ہوگی؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین

اس وقت حکیم الملۃ اکبر الہ آبادی مرحوم کی رباعی یاد آگئی۔

سررشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا ۔۔۔ آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے ۔۔۔ ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

فللّٰہ درّہٗ ثم للّٰہ درّہٗ

آپ لوگوں کا ایک کمترین بھائی
تمنا عمادی مجیبی غفرلہٗ
۱۶ر نومبر ۱۹۶۳ء
۶۴ عبد العزیز لین پیل خانہ،
ڈھاکہ ۹

رباعی از تمنا غفرلہٗ

چارہ نہیں ہر چند روایت کے بغیر ۔۔۔ مانو نہ روایت کو درایت کے بغیر

تقلید ہے رات، اور تحقیق ہے شمع ۔۔۔ شب کو نہ چلو شمع ہدایت کے بغیر

تفسیروں کے کچھ نمونے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور سے بعض اہم تفسیروں کے کچھ نمونے بھی دکھا دیئے جائیں کہ آیات کو روایات کا تابع بناتے ہیں جو دشواریاں مفسرین کو پیش آئی ہیں اور وہ دشواریاں کسی طرح بھی حل ہوتی نظر نہ آئیں تو ان کا دماغی انتشار کس کس طرح ان کے قلم جادو رقم سے ظاہر ہوا ہے۔

قاضی بیضاوی

رحمۃ اللہ کی تفسیر کے کچھ نمونے تو اصل کتاب میں مذکور ہو چکے ہیں مثلاً ۱۔ وبعولتهن احق بردهن کی ضمیروں کو خاص اور مرجع کو عام قرار دینا جو خلاف عقل ہے۔

۲۔ احق کو حقیق کے معنی میں بتانا۔ پھر یہ کہنا کہ بعولتہ اپنی ظہن ہی سے زیادہ حقدار ہیں رد ھن کے۔ اور دونوں باتوں کی لغویت میں بتفصیل تمام ثابت کر چکا گو دوسرے مفسرین نے بھی اس کو لکھا ہے۔

۳۔ ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئاً کا مخاطب حکام کو قرار دینا۔ اور شوہروں کو مخاطبہ سمجھنے میں نظم عبارت کی خرابی بتانا۔ صرف اسلئے کہ ولا یحل لکم ان تاخذ والخ کا عطف کرنا ہے۔ الطلاق مرتن والے پورے جملے پر۔ اگر اس آیت میں بعولۃ مخاطب ہیں تو ان کا ذکر یہاں جمع مذکر حاضر کی ضمیروں سے اور ان کی ظہن کا جمع مؤنث غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے۔ اور اس کے پچاس لفظوں کے بعد جو دوسری آیت شروع ہوتی ہے اس کے آغاز میں جو فان طلقها فلا تحل له من بعد الآیہ ہے اس کا عطف بھی یہ لوگ الطلاق مرتن ہی پر کر رہے ہیں۔ مگر وہاں شوہر کا ذکر بھی ضمیر واحد مذکر غائب سے ہے اور اسکی عورت کا ذکر بھی واحد مؤنث غائب سے۔ اور جب لا یحل لکم ان تاخذ والخ کا اور فان طلقها فلا تحل له من بعد الخ دونوں کا عطف الطلاق مرتن ہی پر قرار دیا جائیگا۔ تو دونوں آیتوں کی ضمیروں

کے مراجع کی تلاش تو الطلاق مرتٰن ہی میں کرنی ہوگی اور دونوں آیتوں میں مذکر کی ضمیروں سے مراد طلاق دینے والے شوہر اور مؤنث کی ضمیروں سے مراد طلاق پانے والی عورتیں ہی ہونگی۔ تو الطلاق مرتٰن میں جو لفظ طلاق ہے اس سے ضمیروں کے مراجع اگر اگلوائے جائینگے تو جمع یا واحد؛ یعنی ولا یحل لکم ان تاخذوا کا جملہ چاہیگا کہ شوہروں کی جماعت اور ان کی بیویوں کی بھی جماعت کو وہ الطلاق کا لفظ اگلے۔ اور فان طلقہا فلا تحل لہ الخ کا تقاضا ہوگا کہ وہ ایک شوہر اور اسکی ایک بیوی کو اگلے۔ اور قاضی صاحب اور ان کی پوری جماعت مفسرین فان طلقہا فلا تحل لہ کا عطف کسی نہ کسی طرح الطلاق مرتٰن پر ضرور کرینگے ورنہ وہ قرآن سے تین طلاق کا ثبوت کسطرح مہیا کر سکینگے؛ اسلئے وہ فان طلقہا کا عطف الطلاق مرتٰن پر کرنے سے دست بردار ہو نہیں سکتے اور ولا تحل لکم ان تاخذوا کا عطف اگر الطلاق مرتٰن پر نہ کریں تو کس پر کریں؛ کوئی دوسرا معطوف علیہ نظر نہیں آتا۔ تو انہوں نے اپنی تفسیر کے گلے سے اس پھانس کے نکالنے کی یہ تدبیر سوچی کہ کہدو کہ لا یحل لکم ان تاخذوا الخ کے مخاطب بعولۃ ہیں ہی نہیں حکام ہیں۔

یہ انوکھی تاویل اپنی تفسیر کی گردن سے لغوی و ادبی پھانس نکالنے کے لئے سوچ کر نکالی گئی اور اسکو واجب التسلیم قرار دیا، اور ڈرا دیا کہ اگر اس تاویل کو نہیں مانا جائیگا تو نظم عبارت میں خلل پیدا ہو جائیگا۔

قاضی صاحب اس تاویل کو پیش کر کے مطمئن ہو گئے کہ لا یحل لکم ان تاخذوا کی دونوں جمع مذکر حاضر کی ضمیروں کو تو انہوں نے بعولۃ سے چھین کر حکام کو دیدیا۔ مگر اتیتموھن کی ضمیر جمع مؤنث غائب کو بھی مطلقات سے چھین کر حکام ہی کی کم سے کم دائیوں ماناؤں ہی کو دلوا دیتے جب البتہ ان کی تفسیر کی گردن میں جو پھانس پڑی ہوئی ہے۔ بالکل نکل جاتی۔ اسلئے کہ آدھی ہی پھانس تو نکلی؛ جمع مذکر حاضر کے مخاطب اگر یہاں شوہروں کی جماعت ہے تو فان طلقہا میں شوہر ایک فرد واحد کیوں ہوگا؛ اسی طرح یہاں اتیتموھن میں طلاق پانے والیوں کی جماعت کا ذکر ہے۔ تو فان طلقہا میں طلاق پانے والی ایک فرد واحد

کیوں ہوگی؟ جب ھُنّ سے آپ اتیموھن میں طلاق پانے والیوں کی جماعت
مراد لینے پر مجبور ہیں۔ اور فان طلقہا میں ایک طلاق پانے والی عورت کا ذکر
ہے اور دونوں کا مرجع آپ اسی الطلاق مرتٰن والی الطلاق کے پیٹ سے
نکلوانا چاہتے ہیں وہ بھی بیکدفعہ واحد بھی اور جمع بھی اور دونوں کے مرجع کو ایک
ہی قرار دینے پر بھی آپ مجبور ہیں نظم عبارت کے جس خلل کو آپ نکالنا چاہتے
ہیں وہ تو ابھی تک علےحالہ موجود ہے۔ نہ وہ آپ کا مفروضہ ومزعومہ خلل نظم عبارت
سے نکلا اور نہ آپ کی تفسیر کی گردن سے نحوی وادبی پھانس نکل سکی بلکہ تحریف معنوی
کی پھانس اور زبردست پھانس الگ آپ کی تفسیر کے گلے میں آپڑی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ مرافعہ کے وقت حکام ہی عورت سے مطلوبہ
مال شوہر کو دلوائینگے اور شوہر حکام کے دلوانے ہی سے لیگا اسلئے حکام کو یہاں
مخاطب مجازاً کیا گیا ہے۔ یہی امام رازی وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔

کس قدر مغالطہ آمیز تفسیر ہے یہ تعجب ہے کہ کس طرح مفسرین نے لکھی۔
حکام عورت سے دلوائینگے شوہر کو اور شوہر وہ مال جو حکام دلوائینگے لیگا۔ اس
لئے دلوانے اور لینے کیلئے اگر کہا جاتا اور شوہروں کے عوض حکام کو مخاطب سمجھا
جاتا تو خیر یہ تاویل عقل میں آسکتی تھی یہاں تو مرافعہ کے قبل طلاق دینے کے ارادے
کے وقت یا طلاق دینے کے وقت لینے کی ممانعت کا حکم ہے۔ کیا حکام کو ممانعت
کی جارہی ہے کہ لا تاخذوا کیا حکام طلاق کے ارادے کے وقت یا طلاق دینے
کے وقت زبردستی عورت سے شوہر کو اسکے دیئے ہوئے سب اموال دلوارہے
تھے؟ کہ حکام کو مخاطب کرکے فرمایا جارہا ہے کہ لا تاخذوا؟۔

اور کیا طلاق سے پہلے حکام ہی نے عورت کو مہر اور زیورات وملبوسات
شوہر سے دلوائے تھے جو اتیتم کے فاعل بھی حکام ہی بن جائینگے؟ اتیموھن
کے مخاطب تو یقیناً بعولتہن ہی ہونگے۔ تو جو اتیتم کے مخاطب ہونگے وہی لا تاخذوا
کے بھی مخاطب ہونگے۔

امام رازی

الطلاق مرتٰن کی تفسیر میں لکھتے ہیں اذا جعلنا نص الکلام
مبتداً کان قولہ الطلاق مرتٰن یقتضی حصر کل طلاق

فی المرتین۔ وھو باطل بالاجماع۔ جب ہم نے الطلاق مرتٰن کو ایک ابتدائی
جملہ قرار دیا یعنی یہاں سے ایک نئی بات مستقل طور سے شروع ہوئی کسی سابق جملے
کا یہ تتمہ نہیں ہے تو الطلاق مرتٰن کا جملہ اس کا مقتضی ہے کہ ساری طلاق دو ہی مرتبہ
میں منحصر سمجھی جائے یعنی دو مرتبے سے زیادہ طلاق نہ دی جائے۔ مگر یہ باطل ہے
اجماع کے سبب سے،، آپ نے دیکھا؟ عبارت کا جو مفہوم صحیح سیاق عبارت
جس کا مقتضی ہے اس مفہوم کا اعتراف ہے۔ آیت کے سیاق سے یہی مفہوم نکلتا ہے
کہ طلاق دو مرتبہ سے زیادہ نہ دی جائے مگر چونکہ اجماع اس کے خلاف ہے
اسلئے جو مطلب آیت سے نکل رہا ہے وہ باطل ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔
یہ تھی ذہنیت ہمارے مفسرین کی یعنی اصل اطاعت قرآن مجید کی فرض نہیں ہے
اور اجماع نعوذ باللہ قرآن کے واضح مفہوم صحیح معنی کو باطل کر سکتا ہے۔

اجماع یہ موقع اجماع پر مفصل بحث کرنے کا نہیں ہے مگر جو شخص اصول
فقہ کے مبادی سے بھی واقف ہے وہ اتنا تو ضرور ہی جانتا ہے کہ
اجماع کسی امر ظنی کو قطعی بنانے کیلئے کیا جاتا ہے۔ جو حکم کسی دلیل ظنی سے
ثابت ہو اگر اسکے موافق اجماع ہو تو وہ قطعی سمجھا جائیگا۔ مگر مفسرین کے نزدیک
امر قطعی ویقینی کو منسوخ کرنے اور مقتضائے نص قرآنی کو باطل کرنے کے لئے اجماع
ہوتا ہے۔ امام رازی اور نیز یہ بھی باحسان کے تیسری طلاق قرار دینے کو صحیح نہیں
سمجھتے۔ ان کی بحث کو نقل کرنا فضول ہے۔ البتہ فان طلقہا سے وہ تیسری طلاق
ثابت کرتے ہیں۔ مگر کس طرح ثابت کرتے ہیں سنئے۔ الطلاق مرتٰن سے
فلا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئًا تک عام طلاق دینے والوں
اور عام طلاق پانے والیوں کے متعلق احکام تھے۔ الا ان یخافا سے فیما افتدت
بہ تک ایک شوہر اور اسکی ایک عورت کے متعلق سلسلہ کلام شروع ہوا۔ اس کے
بعد جملہ معترضہ تلک حدود اللہ سے الظلمون تک ہے۔ اسکے بعد فان طلقہا
آیا ہے تلک حدود اللہ سے الظلمون تک کے جملہ معترضہ کو کوئی مفسر
جملہ معترضہ اپنے قلم سے نہیں لکھتا ہے۔ اسلئے کہ اگر اس کو جملہ معترضہ مان لیں
تو پھر فان طلقہا کا تعلق جملہ معترضہ کے ماقبل متصل یعنی فلا جناح علیہما فیما

افتدت به سے ماننا پڑیگا۔ اسلئے جملہ معترضہ کو کوئی بھی جملہ معترضہ نہیں
لکھتا۔ مگر سے

ہے تمنا اس یقین حبیب کہ ملک ہی قابض روح ہیں۔

تو بچاؤ اس کا نہیں ہے یہ کہ عقیدہ ہی نہ ملک پہ رکھ

مگر جبتک درمیانی جملوں کو جملہ معترضہ نہ بتائیں الطلاق مرتان سے فان
طلقها کا تعلق ثابت نہیں کر سکتے۔ لیکن جملہ معترضہ درمیان کے سارے جملوں کو
کہہ بھی نہیں سکتے ہیں۔ اسلئے امام رازی ولا یحل لکم ان تاخذ وا سے فیما افتدت
به تک کو خلع کے متعلق احکام قرار دیتے ہیں چنانچہ ولا یحل لکم ان تاخذ وا،
سے الظلمون تک آیت کریمہ نقل کر کے لکھتے ہیں اعلم ان ھذا ھو الحکم الرابع
من احکام الطلاق وھو بیان الخلع یعنی احکام طلاق میں سے یہ چوتھا حکم ہے یعنی
پہلا حکم مطلقات کو عدت کا تھا دوسرا حکم وبعولتھن احق بردھن کا تھا اور
تیسرا حکم الطلاق مرتان کا تھا۔ یہ چوتھا لا یحل لکم سے الظلمون تک جو ہے وہ خلع
سے متعلق ہے۔ مگر فوراً ہی اسکے بعد خود لکھتے ہیں واعلم انه تعالے لما امران
یکون التسریح مقرونا بالاحسان بین فی ھذہ الایۃ ان من جملۃ الاحسان
انه اذا طلقھا لا یاخذ منھا شیئا من الذی اعطاھا من المھر والثیاب
وسائر ما تفضل به علیھا۔ یعنی جان لو کہ جب اللہ تعالے نے (شوہروں کو)
تسریح کا حکم دیا احسان کے ساتھ تو اس آیۃ میں (یعنی لا یحل لکم ان تاخذ وا مما
اتیتموھن شیئا میں) بیان فرما دیا کہ منجملۂ احسان یہ بھی ہے کہ جب شوہر بیوی
کو طلاق دے تو جو کچھ اس کو دے چکا تھا مہر یا کپڑے یا اور ساز و سامان اسمیں
سے کچھ بھی (اس عورت سے واپس) نہ لے۔ امام رازی کے خود اس بیان سے ظاہر
ہے کہ فلا یحل لکم ان تاخذ وا الخ گویا ایک شرح ہے او تسریح باحسان کی
اور تسریح کا تعلق طلاق سے ہے نہ کہ خلع سے اور خلع کا تو ابھی ذکر بھی نہیں آیا
ہے۔ اس کے علاوہ لا یحل لکم کے مخاطب تو یقیناً امام رازی کی اس تفسیر کے
رو سے بھی اور سیاق و سباق سے تو ظاہر ہی ہے کہ طلاق دینے والے ازواج ہی ہیں
جن کو الطلاق مرتان فرمایا گیا ہے اور جن سے کہا گیا ہے کہ مرتان کے بعد فامساک

بمعروف او تسریح باحسان ۔ دو مرتبے طلاق کے بعد چاہے امساک کر لو چاہے احسان کے ساتھ تسریح کر دو۔ اسلئے یقیناً الطلاق مرتٰن سے شیئاً تک ایک سلسلہ بیان ہے۔ جو امام رازی کے بھی اس واعلم کے بعد والی پوری عبارت سے ظاہر ہے تو پھر ولا یحل لکم الخ کا تعلق خلع سے کیسے ہو گیا۔

فان طلقھا کی تفسیر میں اس کا عطف الطلاق مرتٰن پر کر کے اور یہ فرض کر کے کہ الطلاق مرتٰن سے باحسان تک طلاق کا حکم ہے اور پھر فان طلقھا میں تیسری طلاق کا حکم ہے اور درمیان میں خلع کا حکم ہے۔ اس زعم باطل کو قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں واعلم ان وقوع آیۃ الخلع بین ھاتین الاٰیتین کالشیئ الاجنبی ونظم الآیۃ "الطلاق مرتٰن" فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔

دیکھا آپ نے۔ پہلے ولا یحل لکم الآیہ احکام طلاق میں سے ایک چوتھا حکم تھا مگر وھو بیان الخلع" (اور وہ خلع کا بیان ہے) بس اسی قدر لکھکر وہاں چھوڑ دیا تھا پھر ولا یحل لکم سے شیئاً تک کا واضح تعلق او تسریح باحسان سے خود تحریر فرمایا خود لکھاکہ واعلم انہ تعالےٰ لما امران یکون التسریح مقرونا بالاحسان بیّن فی ھذہ الاٰیۃ ان من جملۃ الاحسان انہ اذا طلقھا لا یاخذ منھا شیئاً الخ۔ اب میں کس سے پوچھوں کہ آپ نے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً کا تعلق او تسریح باحسان سے اس سے پہلے بیان فرمایا تھا۔ اور منجملہ احسان یہ بتایا تھاکہ اذا طلقھا لا یاخذ منھا شیئاً اور اب یہاں ولا یحل لکم سے شیئاً تک کو بھی ما بعد کے ساتھ او تسریح باحسان اور فان طلقھا کے درمیان کالشیئ الاجنبی قرار دے رہے ہیں۔ جیسے ولا یحل لکم کا کوئی تعلق ہی اب او تسریح باحسان سے نہیں۔ اس کو کہتے ہیں مکرٍّ مفرٍّ مقبلٍ مدبرٍ معاً۔

پھر نکتے پیدا کرنا تو امام رازی کا خاص فن ہے۔ اسکے بعد خود سوال پیدا کر کے خود جواب دیتے ہیں لکھتے ہیں۔ فان قیل فاذا کان النظم الصحیح ھذا فی قولہ الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقھا الخ فما السبب فی ایقاع آیۃ الخلع فیما بین ھاتین الاٰیتین؟ قلنا السبب ان الرجعۃ والخلع

لا یصحان الا قبل الطلقۃ الثالثۃ اما بعدھا فلا یبقی شیئ من ذالک فلھذا السبب ذکر اللہ حکم الرجعۃ ثم اتبعہ بحکم الخلع ثم ذکر بعد الکل حکم الطلقۃ الثالثۃ لانھا کالخاتمۃ لجمیع الاحکام المعتبرۃ فی ھذا الباب۔ سب سے پہلے ایک زعم باطل قائم کر لیا کہ فان طلقھا سے مراد [illegible] الطلاق مرتٰن پر ہے اور درمیان کے سارے جملے کالشیئ الاجنبی ایک غیر متعلق بات ہیں جن کا تعلق نہ الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان سے تھا نہ فان طلقھا سے ہے اور وہ جو دو سطریں اوپر ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کے متعلق لکھ دیا تھا کہ انہ تعالیٰ لما امر ان یکون التسریح مقرونا بالاحسان بیّن فی ھذہ الآیۃ ان من جملۃ الاحسان انہ اذا طلقھا لا یاخذ منھا شیئا وہ تو وہاں لکھا تھا وہاں کی بات وہیں تک تھی۔ یہاں فان طلقھا کا تعلق ثابت کرنا ہے الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان سے اس وقت امام صاحب کو ولا یحل لکم ان تاخذوا کا کوئی تعلق او تسریح باحسان سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس وقت تو ولا یحل لکم سے الظالمون تک سارے جملے اپنے ما قبل و ما بعد کے درمیان گویا الکل اجنبی نظر آ رہے ہیں۔

وہاں کیا کہا تھا تم پوچھو آپ سے ۔ یہاں [illegible] [illegible]

اس کے بعد جو نکتہ بیان فرمایا ہے کہ [illegible] طلاق کا ذکر [illegible] میں خلع کا ذکر کیوں آیا؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ رجعت اور خلع [illegible] طلاق [illegible] [illegible] ہے۔ اور رجعت دو طلاق کے بعد کی چیز۔ تین طلاق کے بعد تو [illegible] تمام ہو جاتا ہے نہ رجعت کا موقع رہتا ہے نہ خلع کا اس لئے دو طلاق کے بعد رجعت کا ذکر کیا پھر خلع کا آخر میں تین طلاقوں کا ذکر کرکے خاتمہ بالخیر کر دیا۔

مگر امام صاحب نے صرف رجعت کا ذکر کیا۔ اگرچہ قرآن مجید میں "رجعت" کا ذکر ہرگز نہیں ہے "امساک" کا ذکر ہے۔ [illegible] [illegible] قرآن [illegible] کبھی استعمال ہی نہیں کرتے۔ اس لئے وہ "امساک" کا لفظ [illegible] اپنی اصطلاح "رجعت" کا لفظ استعمال کیا [illegible] نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے تو امساک [illegible] [illegible]

تھا تسریح کے بعد تو پھر نہ کسی طلاق کی گنجائش ہے نہ خلع کی نہ رجعت کی۔ فان طلقہا سے اگر تیسری طلاق مراد ہے تو کیا تسریح کے بعد جب مطلقہ مسرّحہ ہو کر اپنے اولیاء کے گھر پہونچ چکی ہو تب؟

اور امام رازی الطلاق مرتٰن کی تفسیر میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اسکو جملہ مستانفہ نہ کہیۓ بلکہ اس کا تعلق ماقبل کے ماقبل یعنی وبعولتھن احق بردھن سے تسلیم کیجۓ۔ اس اعتبار سے کہ وبعولتھن کے جملے میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے یا کسی وقت متعین تک کیلئے۔ اسکو الطلاق مرتٰن نے بتا دیا۔ کہ حق رجعت بس دو ہی طلاق تک ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر سب سے بہتر تفسیر ہے۔

مگر امام صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ آخر الطلاق مرتٰن والی آیت کا تعلق وبعولتھن والی آیت سے نحوی اعتبار سے کسی قسم کا ہے؟ الطلاق مرتٰن پر کوئی حرف عطف ہے نہیں۔ کہ اس عطف کو تفسیری کہا جائے۔ الطلاق پر الف لام عہد کا ہے تو وبعولتھن والی آیت میں کوئی ذکر ہی طلاق کا نہیں ہے کہ اس عہد کا تعلق وبعولتھن کی آیت سے سمجھا جائے۔ وبعولتھن کی ضمیر کے مرجع کا امام صاحب بھول کر بھی ذکر نہیں فرماتے کہ المطلقت کی طرف یہ ضمیر پھر رہی ہے کیونکہ وہاں الف لام استغراق کا ہے۔ اس لئے ہر مطلقہ کے شوہر دوسروں سے اس کے زیادہ حقدار اس سے ثابت ہو رہے کہ ان کی مطلقہ انہیں کے پاس واپس جائیں جن میں بائنہ و مغلظہ بھی داخل ہیں۔ اس لئے ضمیر اور مرجع کا مطلق ذکر ہی نہیں کرتے۔ اور نہ الطلاق کے الف لام استغراق یا عہد پر کوئی معقول یا منقول بحث کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لکھکر کہ قولہ الطلاق مرتٰن یقتضی حصر کل الطلاق فی المرتین اسکو ظاہر کر دیتے ہیں کہ یہاں الف لام ان کے نزدیک استغراق کا ہے۔ عہد کا نہ سہی استغراق ہی کا سہی۔ مقصد ایک ہی ہے عہد کا بھی اگر مانا جائے تو اس کا معہود وہی المطلقت یتربصن والی طلاق ہوگی اور المطلقت پر الف لام استغراق کا ہے تو معہود مستغرق ہے تو عہد کیوں مستغرق نہ ہوگا۔

امام رازی نے جو یہ فرمایا کہ ونظم الاٰیۃ "الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد الخ الطلاق

مرتٰن کے بعد جب اسی پر فان طلقها کا عطف قرار دیا جایگا تو یقیناً اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ فان طلقها مرتین فلا تحل له من بعد - من بعد کا فعل مظروف لا یحل ہے اس لئے من بعد کا مضاف الیہ اگر المرتین کو بتائیے گا، تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ فلا تحل له من بعد المرتین - اور عبارت یوں ہوگی "الطلاق مرتٰن ط فان طلقها مرتین فلا تحل له من بعد المرتین یعنی طلاق دو مرتبے ہے تو اگر شوہر نے اپنی بیوی کو دو مرتبے طلاق دیدی تو وہ دو مرتبے طلاق کے بعد اس کے لئے حلال نہ رہیگی - اور یہ مفہوم یقیناً سب کے نزدیک غلط ہے اور پھر الطلاق مرتٰن ط کے بعد جو فامساک بمعروف او تسریح باحسان ہے - وہ درمیان میں لفظاً اور معنیً دونوں حیثیتوں سے حشو و لغو ٹھہرتا ہے - اس لئے امام صاحب کو لازم تھا کہ "فامساک" سے الظلمون تک خلع سے متعلق کسی طرح منطق کے زور سے قرار دیتے - جب ولا یحل لکم سے شیئاً تک کو خلع سے متعلق وہ قرار دے سکتے ہیں تو "فامساک سے شیئاً تک کو خلع سے متعلق قرار دیتے ہیں ان کے لئے کیا دشواری ہوسکتی ہے - "امساک" سے مراد لیں "امساکِ مال" یعنی جو کچھ مختلعہ کو دے چکا ہے اسکو شوہر روک لے مختلعات کے ساتھ جو منصفانہ دستور ہے اس کے مطابق یا مال نہ رکھے احسان کرکے مال کے ساتھ مختلعہ کو رخصت کردے" اس طرح سے لکھتے ہیں ان کو جو دشواری ولا یحل لکم میں پیش آئی کہ اسکو باحسان کی شرح بھی قرار دیتے ہیں - پھر او تسریح باحسان کے لئے شئی اجنبی بھی لکھتے ہیں پیش نہ آئی - لیکن اس طرح کی کھینچ تان کے بعد بھی کام نہیں نکلتا - اسلئے کہ اس تاویل ذلیل سے صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ نظم عبارت جو "الطلاق مرتٰن" "فان طلقها" بناتے ہیں فامساک بمعروف او تسریح باحسان کا جملہ حشو و لغو ٹھہرتا تھا اس تاویل ذلیل سے وہ حشو و لغو نہ ٹھہریگا - لیکن مطلقہ دو ہی طلاق کے بعد شوہر کیلئے حرام ہوجاتی ہے اور بغیر حلالہ کے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی - امام صاحب کی ساری سعی بیہج انجام افسوس ہے - کہ اتنی کھینچ تان اور اتنی کھلی تحریف کے بعد بھی تین طلاقیں ثابت کرتے ہیں مطلق کامیاب نہ ہوسکی - جس شخص کو ادب عربی سے کچھ بھی

مناسبت ہے اگر وہ اسلاف کے ساتھ حمیۃ جاہلیۃ نہیں رکھتا ہے اور ایمان و دیانت سے محروم نہیں ہے تو یقیناً اس کا اعتراف کریگا کہ اگر واقعی ان طلقھا کا عطف الطلاق مرتٰن پر ہوتا۔ اور من بعد سے مراد بعد المرتین ہوتا تو ضروری تھا کہ فان طلقھا کے بعد طلقۃً ثالثۃً کا لفظ بھی ہوتا۔ ورنہ کم سے کم من بعد کا لفظ فان طلقھا کے بعد ہوتا۔ اپنے مضاف الیہ کے ساتھ یعنی یا تو یوں عبارت ہوتی "فان طلقھا طلقۃ ثالثۃ فلا تحل لہ من بعد۔ اس صورت میں من بعد سے مراد من بعد الطلقۃ الثالثۃ ضرور ہوتی۔ ورنہ یوں عبارت ہوتی فان طلقھا بعد المرتین فلا تحل لہ۔ الطلاق مرتٰن کراچی ہیں اور فان طلقھا چاٹگام ہیں۔ درمیان کے جملوں کو جو کالشیئ الاجنبی امام صاحبؒ فرمایا ہے وہ جملے دریا ہیں ایکو ڈبکوں کر رہے ہیں اس درمیانی وسیع خلیج کو عبور کرا کے جو آپ فان طلقھا کو اس کالے کوس والے الطلاق مرتٰن سے جوڑنا چاہتے ہیں تو یا تو یہ ثابت کیجئے کہ اس فان طلقھا کا عطف تعقیبی الطلاق مرتٰن کے سوا کسی اور جملے پر چونکہ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اتنی دور دراز کے جملے پر عطف کرنا ہی ہوگا۔ یا جو قریب بلکہ قریب ترین معطوف علیہ فان طلقھا کا فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔ نظروں کے سامنے ہے اس کو اس کے معطوف علیہ بنانے میں کوئی ادبی، یا عقلی یا از روے قرآن مجید کوئی شرعی خرابی بتائیے کہ ہر شخص اسی قریب ترین معطوف علیہ کو چھوڑ کر اس کالے کوس ہی والے معطوف علیہ پر اس فان طلقھا کا عطف کرنے پر اپنے کو مجبور سمجھے۔ امام رازی اگر اسوقت زندہ نہیں ہیں تو بہت سے علماء اسوقت ان کے مقلدین وکلاء موجود ہیں۔ وہ امام رازی کی اس تفسیر پر جو میرے اعتراضات ہیں ان کے جوابات دیں اور یہ تفسیر صرف امام رازی کی تو ہے نہیں سب مفسرین اسی قسم کی لنگڑی تاویلیں کر رہے ہیں۔ لکھتے ہیں قرآنی آیات کی تفسیر اور روایات کی بھرمار کئے جاتے ہیں کہ دیکھنے والے کی نظر غور آیات کی بجائے ان روایات ہی پر پڑے اور پھر جو رائے وہ قائم کرے انہیں روایات کے ماتحت قائم کرے آیات خود کیا کہتی ہیں اس پر غور کرنے کا اسکو موقع ہی نہ ملے سے دکھا دو شیخ کو تصویریں ان کی ۔:۔ کہ پھر ڈالیں نہ مہر و ماہ پر آنکھ

امام رازی نے بھی لا یحل لکم کا مخاطب حکام کو ٹھہرایا ہے مگر اس پر زیادہ زور نہیں دیا ہے اور زمخشری نے بھی کمزوری کے ساتھ اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ صرف بیضاوی نے اس پر زور دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اگر ولا یحل لکم ان تاخذوا کی ضمیر حکام کی طرف نہیں پھیری جائیگی تو نظم عبارت میں خلل واقع ہوگا۔ اس لئے ہم نے بیضاوی کی تفسیر کے ذکر میں اس خلل کو دور کیا ہے۔ جو نظم عبارت میں بتا کر دوسروں کے دماغ میں خلل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

وشہد شاہد منہم | تفسیر مظہری بہت معتمد علیہ تفسیر سمجھی جاتی ہے مگر ایک متاخر کی تفسیر سمجھکر اس کو دیکھنے کا کبھی خیال ہی نہ آیا۔ ایک عزیز نے خط کے ذریعے مجھکو اس کی طرف توجہ دلائی تو حیرت پر حیرت ہوئی۔ سنیئے۔

جلد اول صفحہ ۲۰۸ میں فرماتے ہیں ثم قال اللہ تعالےٰ فان طلقہا فلا تحل له الفاء لفظ خاص للتعقیب وقد عقب الطلاق الافتداء فان لم یقع الطلاق بعد الخلع یبطل موجب الفاء۔ والقول بانه متصل باول الکلام وقوله تعالےٰ ولا یحل لکم الیٰ قوله تعالےٰ الظلمون معترض تحکم واخلال بنظم الکلام بلا دلیل وما قال الشافعی ان اللہ سبحانه وتعالےٰ ذکر الطلاق فی اول الآیة و آخرها وذکر الخلع فی ما بین ذلک ،، لیس بشئ فانه لم یذکر الخلع والفسخ فی الکلام اصلا۔ انما ذکر افتداء المرأة وسکت عن فعل الزوج۔ فلیس فعله الا ما ذکر من الطلاق فظهر ان الطلاق المذکور سابقا ان لم یکن بمال فهو رجعی، وان کان بمال فهو بائن حتی یتحقق الافتداء ولا یجتمع البدل والمبدل منه فی ملک الزوج۔ سواء کان ذلک بلفظ الطلاق او بلفظ الخلع او غیرهما مما یؤدی معناه۔ وتسمیته خلعا اصطلاح لم یثبت من القرآن۔ واللہ اعلم (ترجمہ) " پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا فان طلقہا فلا یحل له (اگر اس نے طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہ رہیگی)" فی

ایک ایسا لفظ ہے جو مفہوم تعقیب کے لیے مخصوص ہے۔ اور یہاں طلاق کا ذکر افتداء کے بعد کیا گیا ہے۔ تو اگر خلع کے بعد طلاق واقع نہ ہو تو "ف" کے لانے کی جو غرض ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔ اور یہ کہنا کہ "وہ (یعنی فان طلقہا) متصل ہے اول کلام (یعنی الطلاق مرتٰن) سے اور لا یحل لکم سے الظلمون تک جملہ معترضہ ہے" زبردستی کی بات ہے اور نظم کلام میں خلل ڈالنا ہے بغیر کسی دلیل کے۔ اور وہ جو امام شافعی نے کہا ہے کہ "اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیت کے اول و آخر میں طلاق کا ذکر فرمایا ہے اور درمیان میں خلع کا"، وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلع و فسخ کا اس کلام میں بالکل ذکر کیا ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے عورت کے اپنی گلو خلاصی کیلئے مال پیش کرنے کا مگر شوہر اس کے بعد کیا کریگا؟ اس کے متعلق سکوت اختیار فرمایا ہے تو (یقیناً شوہر کا اس موقع پر) طلاق کے سوا کوئی دوسرا فعل نہیں ہو سکتا۔ تو ظاہر ہو گیا وہ طلاق جو پہلے مذکور ہوئی ہے (الطلاق مرتٰن ہیں) وہ دو قسم پر ہے) اگر مال کے بغیر ہو تو رجعی ہے اور اگر مال لے کر دی گئی ہو تو بائن ہے تاکہ فدیہ دینے کا مقصد پورا ہو، اور بدل اور مبدل منہ دونوں پر شوہر کا قبضہ نہ رہے (یعنی شوہر مال بھی عورت سے لے لے اور طلاق بھی رجعی دیکر امساک کرلے تاکہ نکاح بھی باقی رہے۔ ایسا نہ ہونے پائے اسلئے مال کے بدلے میں جو طلاق ہو وہ پوری بائن ہو) اب چاہے شوہر طلاق کا لفظ زبان سے ادا کرے یا خلع کا لفظ، یا کوئی اور لفظ جو طلاق ہی کے مفہوم کو ادا کرے۔ اور اس معاملے کا نام خلع جو رکھا گیا ہے یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ اور اللہ سب سے زیادہ علم والا ہے۔"

قاضی صاحب رحمۃ اللہ کی اس تفسیر پر نمبر وار میرا تبصرہ ملاحظہ فرمایا ہے۔

۱۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ بھی فرما رہے ہیں کہ فان طلقہا کا عطف تعقیبی افتداء پر ہے اور یہی میں مدت سے کہتا آ رہا ہوں۔

۲۔ فان طلقہا کا عطف جو امام رازی وغیرہ الطلاق مرتٰن پر کر رہے ہیں اور یحل لکم سے الظلمون تک کو جملہ معترضہ قرار دیتے ہیں یہ قاضی صاحب علیہ

رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی محض زبردستی کی بات اور بلا دلیل نظم عبارت میں خلل ڈالنا ہے۔ ع۳ امام شافعی کا قول جسکو امام رازی نے بھی روغن قاز ملکر پیش کیا ہے کہ آیت کے اول و آخر تو طلاق کا ذکر ہے درمیان میں خلع کا ذکر کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب علیہ الرحمۃ بھی اس قول کو لاشئے قرار دے رہے ہیں۔ یعنی یہ بات توجہ کے قابل نہیں ہے۔ ع۴ قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ خلع اور فسخ کا ذکر اس کلام میں بالکل ہی نہیں ہے۔" الکلام " (اس کلام) سے مراد اگر یہ آیت ہے تو خود ہی لکھ چکے ہیں۔ فان طلقها فلا تحل له لحکم والفاء لفظ خاص للتعقیب وقل عقب الطلاق الافتداء فان لم یقع الطلاق بعد الخلع یبطل موجب الفاء۔ اس کے بعد یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ الکلام سے ان کی مراد کلام اللہ ہے۔ باقی فسخ نکاح تو دین کا کون سا مسئلہ ہے۔ جو قرآن مجید میں نہیں ہے؟ جو صراحۃً نہیں ہے وہ کسی دوسرے مسئلے کے ضمن میں مذکور ہو گیا ہے۔ فسخ نکاح اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی خارجی سبب سے خود بخود نکاح فسخ ہو جائے جیسے ارتداد کے سبب سے اگر زن و شو میں سے ایک مرتد ہو جائے وغیرہ یا بالقصد نکاح فسخ کیا جائے۔ جیسے حکام کے فیصلے سے نکاح فسخ کیا جائے قرآن مجید سے دونوں صورتیں مستنبط ہیں۔ یہاں جو فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به میں جو بات کو ایک تتمے کا محتاج چھوڑ دیا گیا اور جملہ معترضہ اس کے بعد لایا گیا۔ اس میں ایک اشارہ حکام کے اس اختیار فسخ نکاح کا بھی ہے۔ یعنی جب حکام دیکھیں کہ یہ دونوں آپس میں ملکر حسن معاشرت کے حدود اللہ کو قائم نہیں رکھینگے۔ شوہر سب یا جس قدر مال کا مطالبہ کر رہا ہے عورت اس قدر دیتی نہیں ہے یا دے نہیں سکتی۔ اور شوہر اپنے پورے مطالبے پر اڑا ہوا ہے تو جس قدر عورت اپنی گلو خلاصی کے لئے مال دے سکتی ہے وہ حکام کے سامنے رکھدے اور حکام شوہر کو اتنا مال لے کر طلاق دینے پر مجبور کریں۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حکام اولوالامر کی حیثیت سے شوہر کی طرف سے عورت کو صرف ایک طلاق دے کر فسخ نکاح کر دے سکتے ہیں۔ یہ طلاق تسریحی ہوگی اور اس کے بعد عورت عدت نہیں کریگی مگر اگر بعد کو دونوں میں صفائی ہو جائے تو دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ رشتہ نکاح قائم کر لے سکتے ہیں۔ مگر شوہر نے اگر مال لے کر طلاق دی تو ایک ہی طلاق سے وہ عورت اس شوہر پر بالکل حرام ہو جائیگی جبتک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور اس سے بھی طلاق نہ پالے یہ اس پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ ع۵ قاضی صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فیما افتدت به فرما کر شوہر کے افتدا کا ذکر فرمایا گیا۔ مگر عورت کے افتدا کے بعد شوہر نے کیا کیا؟ اس کا ذکر یہاں نہیں فرمایا گیا۔ یعنی فلا جناح علیهما فیما افتدت به کا جملہ ایک تتمے کا محتاج چھوڑ دیا گیا ہے۔ شوہر کے فعل سے سکوت یہاں پر کیوں اختیار کیا گیا؟ قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے اسکی وجہ نہیں بیان کی۔ میں نے اسکی وجہ کتاب میں دوسری لکھی ہے اسوقت ایک نئی بات فسخ کے متعلق ذہن میں آگئی وہ یہاں لکھدی جو اوپر گذری۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ عورت کے بعد شوہر کا فعل طلاق کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یعنی افتدائے زن کے بعد شوہر کیا کریگا اسی کو فان طلقها کہکر بیان فرما دیا۔ اور جو تتمہ جملہ معترضہ سے پہلے باقی لگا رکھا گیا تھا معترضہ کے بعد فوراً بیان کر دیا گیا۔ تاکہ سلسلہ کلام باقی رہے۔ ع۶ اسکے بعد قاضی صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ فقط هی ان الطلاق المذکور سابقًا ان لم یکن بمال فهو رجعی۔ وان

عـ سب سے پہلے مذکور الطلاق مرتان ہے جسکے بعد شوہر کو امساک کا بھی حق حاصل ہے تو جس طلاق کے بعد شوہر کو امساک کا حق حاصل ہو وہ بائن کس طرح ہوگی؟ "لا تمنا تحفر نہ"

کان بمال فھو بائن - یعنی الطلاق مرتان میں جس طلاق کا ذکر ہے اگر شوہر نے مال لے کر طلاق دی ہے تو طلاق بائن ہوگی - مال نہیں لیا صرف طلاق دی ہے تو رجعی ہوگی - یہ بات کس طرح آیت سے ظاہر ہوئی میں نہیں سمجھ سکا - عبارت قرآن سے اسی قدر نکلتا ہے کہ جو طلاق شوہر بطور خود عورت کو دے وہ دو مرتبہ تک دی جا سکتی - اسکے بعد عدت کے اندر امساک کرے ورنہ تسریح کر دے - شوہر کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب وہ طلاق کا ارادہ کر لے تو طلاق دینے سے پہلے یا طلاق کے بعد یا تسریح کے وقت اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی اس مطلقہ سے واپس لے - اس کے بعد استثناء ہے فقط فلا یحل لکم ان تاخذوا الخ سے نہ کہ فامساک معروف سے - الطلاق مرتٰن سے باحسان تک اپنی جگہ پر لفظاً باقی ہے اخذ مال سے عام ممانعت کے بعد خوف عدم اقامت حدود کی وجہ سے صرف ممانعت اٹھ گئی مگر اخذ مال کو مشروط کیا اس پر کہ جانبین کے حکم یا حکام بھی معاملے کو سمجھکر فیصلہ کریں کہ واقعی بغیر کچھ لیے دیئے دونوں اقامت حدود نہیں کر سکتے ہیں تو جس قدر مال وہ دلوائیں اس قدر شوہر لے اور عورت اتنا دینے میں عذر نہ کرے - یہ استثناء اسی ممانعت سے ہے جو امساک طلاق دینے والوں کو کی گئی تھی اسلئے مستثنیٰ کا بھی تعلق اسی سے ہوگا - البتہ مستثنیٰ منہ میں تو عدم اقامت حدود کا خوف شوہر کو تھا - مگر مستثنیٰ میں شوہر کے ساتھ عورت کو بھی اگر وہی خوف ہو اس صورت کو بھی لے لیا گیا - اسی لئے مستثنیٰ میں سلسلہ کلام کا عنوان بدل دیا گیا کہ اب زن و شوہر دونوں کے لئے جمع کے صیغے نہیں لائے گئے بلکہ دونوں کے لئے واحد ہی کے صیغے مسلسل آخر بحث تک لائے گئے - شوہر بطور خود طلاق دے تو اسکو مہلت دی گئی ہے کہ آخر عدت تک وہ بار بار اپنے ارادے پر نظر ثانی کرے اور چاہے تو عدت کے آخر لمحے تک بھی امساک کر لے - مگر عورت کا مطالبہ طلاق اگر ہوگا تو وہ تسریح ہی کی طالب ہوگی - وہ رجعی طلاق لے کر کیا کریگی؟ اسلئے عورت کے مطالبہ پر شوہر اگر طلاق دیگا تو وہ طلاق تسریحی ہوگی جسکو اجماع امت والے بائن کہتے ہیں - اور وہ ایک طلاق ہوگی قاضی صاحب نے خلع کے متعلق تو فرمایا کہ یہ قرآنی اصطلاح نہیں ہے مگر بائن کب قرآنی اصلاح ہے - لیکن شوہر عورت کے مطالبہ طلاق پر عورت کے پیش کئے ہوئے مال کو لے کر طلاق دیگا تو پھر فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ - جبتک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اس وقت تک وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی - مگر اب منکوحہ غیر ہونے کی وجہ سے جو حرمت ہے اسکو وہ اس سے بھی طلاق لے کر دور کر سکتی ہے - اور پہلے شوہر کی زوجیت میں لوٹ جا سکتی ہے - مگر رجح والے گروہ میں امروز بود فرمائے - قاضی علیہ الرحمۃ نے یہ سب صاف صاف کہنے کے بعد بھی صفحہ ۱۱۳ میں اسی فان طلقھا کی تفسیر لکھتے ہیں بعد اثنتین وھو واحد محتمل قولہ تعالیٰ او تسریح باحسان - یہ وہی فان طلقھا ہے جس کا عطف وہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ پر صفحہ ۱۰۸ میں ایک ہی ورق پہلے کر چکے تھے - یہ ہے مرعوبیت اپنے معتقدوں سے - انا للہ وانا الیہ راجعون -

امام رازی نے آیات زیر غور کی تفسیر میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پیش کرنا لطف سے خالی نہ تھا - مگر در خانہ اگر کس است حرفے بس است جسقدر میں لکھ گیا ہوں اہل انصاف و اہل دیانت کے غور کے لئے اسی قدر کافی ہے - اہل علم خود امام رازی اور دوسرے مفسرین کی تفسیریں دیکھ سکینگے - میں نے اپنا فرض ادا کر دیا - اب دوسرے لوگ اپنا فرض ادا کریں یا نہ کریں اس کے ذمہ دار وہ ہیں - میں تو اپنی عمر کی آخری منزلیں طے کر رہا ہوں میں صرف وقت کا منتظر بیٹھا ہوں سے ہنگام رحیل آمد بیچارہ تمنا را ؛ پائے بدنیں دارد پائے بر کاب اندر - والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ"

تمنا عمادی مجیبی پھلواروی پاکستانی غفر لہٗ

عزیزیہ آرٹ پریس ۲۵۷ لائلپور